نقشِ آخر

اشتیاق حسین قریشی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

شاخ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

اردو بازار دہلی ۶

شاخ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

پرنسس بلڈنگ بمبئی نمبر ۳

شاخ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

یونیورسٹی مارکیٹ علی گڑھ ۲

جولائی ۱۹۷۳ء

تعداد ۵۰۰

جمال پرنٹنگ پریس، دہلی ۶

افرادِ تمثیل

جس ترتیب سے آتے ہیں

رگس	میر عاشق کی خانہ زاد
محسن	میر عاشق کا بیٹا
بدہ خاتون	میر عاشق کی بیوی
یر عاشق	بہادر شاہ کے دربار کا ایک مصوّر
شبیر	میر عاشق کا چھوٹا لڑکا
ہر ناصر	میر عاشق کا چھوٹے بھائی
لشن	محسن کی سسرال کی ماما
اہدہ بیگم	محسن کی بیوی
باس	محسن کے دوست
ہدی	″
طاہر	″ ″
سن	شبیر کا دوست

دیباچہ

"معلّمِ اسود"، "گناہ کی دیوار"، "ہمزاد" اور "صیدِ زبوں" کی جن حضرات نے قدر کی مجھ سے زیادہ وہ "نقشِ آخر" کی تصنیف کے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے کہ جو مصنف ایک نیا نظریہ لے کر اٹھتا ہے وہ اپنے خیالات کی اشاعت و تبلیغ میں ہمیشہ جوش سے کام لیتا ہے۔ اگر اس کا منہ بند کرنا ہو تو سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ اس کی کتابوں کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے لیکن چونکہ میرے احباب اور اہلِ ذوق نے ایسا نہیں کیا لہٰذا میری ہمّت بڑھی اور اس کا نتیجہ یہ چھوٹا سا ڈرامہ ہے۔

ڈرامہ کے متعلق میں چند عقائد رکھتا ہوں، انھیں چونکہ میں اپنی اور کتابوں میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں لہٰذا میرا جوش بھی جو جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے، ان کے

اعادہ کے کفیل ہونے سے انکاری ہے اس میں خود غرضی کو بھی دخل ہے۔ اس لیے کہ میں جب نتا ہوں کہ جن حضرات کو تمثیلات سے دلچسپی ہے وہ ان عقائد کو معلوم کرنا چاہیں گے۔ اور اس طرح اگر انہوں نے میرے اور ڈرامے نہیں پڑھے تو ان کے دل میں انھیں پڑھنے کی رغبت پیدا ہو گی۔

"نقشِ آخر" ہماری قدیم تہذیب کا نوحہ ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کی قومی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے ہماری بہت سی خصوصیات کو مٹا دیا۔ اور اُس وقت تو قوم کی یہ حالت تھی کہ کسی طرف سے کوئی شعاعِ امید نظر ہی نہ آتی اور تمام دماغوں پر مایوسی کی تاریکی پوری طرح مستولی ہوئی عین اس تاریکی کے زمانے میں سر سید احمد خاں پیدا ہوئے جن کی عظمت کا اندازہ ہماری طاقت سے بعید اور ہندوستان کے آئندہ مورخ کا کام ہے۔

اُس وقت قومی دماغ میں ایک بڑا ہیجان پیدا ہوا۔ سر سیّد کی تدبیر کے علاوہ قوم کو بچانے کا کوئی طریقہ نظر نہ آتا تھا اور نہ فی الحقیقت تھا۔ لیکن یہ بات بھی ظاہر تھی کہ اس تعلیم سے قومی ذہنیت میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا ہوگا۔ جو غدر کے بھی انقلاب سے زیادہ سخت اور دور رس ہوگا۔ اس لیے کہ اس کی حکومت قلب و دماغ پر ہوگی اور معتقدات و خیالات میں تبدیلی کو آسانی کے ساتھ گوارا کرنا محال بھی تھا اور نامناسب بھی۔

اتنا عرصہ گزرنے کے بعد جب انقلاب کے آثار ہمارے پیشِ نظر ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ موجودہ صورتِ حال اطمینان بخش ہے۔ موجودہ تعلیم کے روشن پہلو جو کچھ بھی ہوں اُس سے انکاری نہیں ہوں ورنہ میں خود ایک سرکاری یونیورسٹی کے ارکان میں شامل نہ ہوتا۔ اس کو ماننا پڑے گا کہ قومی تہذیب اور کیرکٹر کو اس سے خاطر خواہ فائدہ پہنچنے کے بجائے بہت نقصان پہنچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے تمام اہلِ بصیرت

اس میں تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ بالخصوص مسلمان جو بغیر مذہب کے کبھی مذہبی اعتبار سے زندہ نہیں رہ سکتے ایسے نظامِ تعلیم سے کبھی متمتع نہیں ہو سکتے جس کا مرکزی ستون بے دینی ہے۔

یہ مسئلہ میں جانتا ہوں کہ بحث طلب ہے لیکن اس بحث و تمحیص میں گنجائش نہیں کہ ہماری پرانی معاشرت میں بھی بہت سی ایسی خوبیاں تھیں اور اس قدر لطافت، حُسن و جمال تھا کہ اس کا مٹنا اندوہناک ہے۔ موجودہ تعلیم سے بہت کم دماغوں میں "کلچر سینس" پیدا ہوتی ہے، اسی کا نام بدذوقی ہے جو ہمارے نوجوانوں کا شعار ہے اور جس کا اثر قومی زندگی کے اکثر پہلوؤں میں نظر آتا ہے۔ مجھے پانچویں مجلس لکھتے وقت اس امر کا کافی احساس تھا کہ بہت سے لوگ اس کے عبرت ناک پہلو کو نہ سمجھ سکیں گے۔ لیکن اس اندوہناک حقیقت کو دکھانے کا اس سے بہتر طریقہ نہ تھا کہ اہلِ ذوق اکثر ناظرین کی بدذوقی سے میرے دعوے کی صحت کو تسلیم کرلیں۔

میر عاشق کی آخری تصویر فی الحقیقت ایک اشارہ ہے۔ اس سے ہماری مراد قدیمی تہذیب ہے۔ ذرا سے غور سے یہ نکتہ واضح ہو جائے گا۔

تاریخی واقعات اور زندگی کی تصویر کھینچنے میں مجھے "بزمِ آخر" اور "داستانِ غدر" سے بہت مدد ملی ہے۔ بلکہ بعض واقعات تو ان ہی کی زبان میں منقول ہیں۔

میں دوسرے مصنفین کی طرح یہ کرسکتا تھا کہ ان کی زبان بدل دیتا لیکن

چوں کہ اُن کے مصنف اس زمانہ کو مجھ سے بہتر جانتے تھے، لہٰذا ان کی زبان بدلنی حیرت انگیز غلطی تھی۔

اشتیاق حسین قریشی

پہلی مجلس

وقت صبح سات بجے

پُرانی وضع کا ایک دالان ہے۔ پشت پر مغلئی وضع کے تین در ہیں جن کے پیچھے دیوار نظر آتی ہے، ایک جانب دریچی ہے، دوسری جانب دیوار میں دروازہ ہے۔ ایک شفاف چاندنی کا فرش ہے، اس پر درمیان میں ایک ایرانی قالین بچھا ہے اور گاؤ تکیہ لگا ہے۔ چھت میں ایک پنکھا لٹکا ہے۔ نرگس اس دالان میں جھاڑو دے چکی ہے۔ اب وہ فرش کی سلوٹیں نکال رہی ہے اور ہر ممبر فرش کو اپنی جگہ پر رکھ رہی ہے اتنے میں محسن داخل ہوتا ہے۔ محسن نوجوان کشیدہ قامت اور خوش رو ہے، چھریرا بدن ہے۔ نرگس کی اس کی طرف پیٹھ ہے۔ لیکن وہ پاؤں کی آہٹ سُن کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

محسن۔ نرگس! آج صفائی میں اتنی دیر لگا دی۔

نرگس۔ میاں کل افطار کے لیے بیگم صاحبہ قلعہ تشریف لے گئی تھیں، وہاں سے دیر

میں تشریف لائیں۔ اس کے بعد ہی سحری کی تیاری میں لگ گئی۔ سحری کے بعد ذرا آنکھ لگی تھی کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ نماز کے بعد سوچا کہ ذرا لیٹ رہوں، پھر آنکھ لگ گئی وہ تو خیر سے سوسن نے جگا دیا ورنہ میں پڑی سوتی رہتی۔ اور سارا کام یوں ہی پڑا رہتا۔

محسن۔ سرکار کی تشریف آوری میں کیا دیر ہے؟

نرگس۔ بس اب تشریف لاتے ہی ہوں گے۔ مسجد سے دیر ہوئی تشریف لے آئے۔ تلاوت فرما رہے ہیں۔

(نرگس آخری سلوٹ نکال چکتی ہے اور آخری میز فرش اپنی جگہ رکھ دیتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ اتنے میں رشیدہ خاتون داخل ہوتی ہے)

محسن (جھک کر) امّی جان! آداب عرض۔

(رشیدہ خاتون اسے دیکھ کر آگے بڑھتی ہے)

رشیدہ۔ جیتے رہو بیٹا، خدا تمہاری عمر دراز کرے! تمہیں خدا پروان چڑھائے صاحبِ اولاد کرے، تمہاری ترقی سے ہماری آنکھیں روشن اور دل شاد ہو (رشیدہ بیٹھ جاتی ہے، محسن کو اپنے پاس بٹھا لیتی ہے۔ اتنے میں نرگس پھر آتی ہے۔)

نرگس۔ بیگم صاحبہ آداب، سرکار تشریف لا رہے ہیں۔

نرگس چلی جاتی ہے۔ بیگم اور محسن کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میر عاشق داخل ہوتے ہیں۔ میر عاشق ایک مسن شخص ہیں، سفید داڑھی ہے، چہرہ سے نجابت و شرافت ٹپکتی ہے۔

محسن۔ ابّا جان! آداب عرض۔

(میر عاشق محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ

پھرتے ہیں)

میرعاشق۔ خدا تمہاری عمر میں برکت دے، تمہیں صاحبِ اقبال بنائے اور خوش و خرم رکھے۔

(رشیدہ کی طرف دیکھ کر) بیگم مزاج بخیر؟

رشیدہ۔ خدا کا شکر ہے، کل کی تکان کا کچھ اثر باقی ہے۔

میرعاشق۔ ہاں کل تمہیں بہت دیر ہوگئی تھی۔ رات کو سو بھی سکیں یا نہیں؟

(میرعاشق بیٹھ جاتے ہیں۔ رشیدہ خاتون بھی بیٹھ جاتی ہیں، دونوں کے بعد محسن بیٹھتا ہے)

رشیدہ۔ سوئی تھی مگر نیند نہیں بھر سکی، نواب زینت محل نے دیر تک نہیں آنے دیا۔

محسن۔ امی جان! کچھ ہمیں بھی تو قلعے کے افطار کا حال سنائیے۔

رشیدہ۔ بیٹا ایسی چہل پہل ہوتی ہے کہ بیان نہیں کر سکتی، بادشاہ سلامت جب دوپہر کے سکھ سے فارغ ہوئے تو دیوانِ خاص میں تشریف لے گئے۔ اِدھر تیسرے پہر کو تندور گرم ہوا۔ جہاں پناہ کے بیٹے شیر کے سے پایوں کی ایک سنہری مسہری تندور کے سامنے لگا دی گئی، کرسی کی پشت پر سنہرے پھول پتے کٹے ہوئے ہیں اور نشست پر مخمل کا نرم گدا اچھا ہوا ہے، بیگماتیں، حرمیں، شاہزادیاں اپنے ہاتھ سے بیسنی روٹی، میٹھی روٹیاں اور کلچے تندور میں لگاتی تھیں، جہاں پناہ سیر دیکھتے تھے۔ ایک شور مچ رہا تھا۔ کسی کی روٹی اچھی لال لال اُتری، وہ خوشی کے مارے پھولی نہ سماتی تھی، کسی کی جل گئی یا تندور میں گر گئی یا ادھ کچری رہ گئی تو اس پر ایسے قہقہے

بڑے تھے کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔

میر عاشق۔ مجھے اگر آدھ گھنٹہ یہ نظارہ دکھا دیا جائے تو اس کی ایسی تصویر کھینچوں کہ یادگار رہے۔

رشیدہ۔ وہاں کیا مجال کہ پرندہ بھی پر مار سکے اور ایک تندور کیا، بیسوں لوہے کے چولھے گرم تھے۔ پٹیلیاں ٹھنٹھنا رہی تھیں اور اپنی اپنی دل بھاتی چیزیں پکار رہی تھیں اور اس طرح روزہ بہلا رہی تھیں۔

محسن۔ روزہ خور بے چاریاں کیا کرتی تھیں؟

رشیدہ۔ اے ہے کوئی روزہ خور سامنے آجاتی تو اس کا وہ وہ لکھا ہوتا۔ کہ توبہ توبہ! کوئی کہتی "روزہ خور خدا کی چور" کوئی کہتی "ہاتھ میں بیڑا منہ میں کیڑا" کوئی کہتی "روزہ خوروں پہ کیا بنا ہی ہے۔ ٹوٹی جوتی پھٹی رضائی ہے"۔ وہ ایسی کھسیانی ہو کر بھاگتی کہ اُدھر کا رُخ نہ کرتی۔

(اتنے میں شبیر آتا ہے ۶ یا ۷ برس کی عمر ہو گی، چہرے سے ذہانت ٹپکتی ہے، آداب کر کے قرینے سے بیٹھ جاتا ہے۔ میر عاشق اپنے پاس بلا کر بٹھا لیتے ہیں، پیار کرتے ہیں)

شبیر۔ امّی جان! ہم کل آپ کا انتظار ہی کرتے رہے۔ آپ تشریف ہی نہیں لائیں۔

رشیدہ۔ بیٹا! قلعے کا جانا ایسا ہی ہوتا ہے۔ بے اجازت نہیں آسکتی تھی۔ بغرض عصر کے وقت جہاں پناہ تشریف لے گئے، اُدھر مالنوں نے محل میں دوکانیں لگائیں۔ پھولوں کے گنٹھے اور فصل کی ترکاریاں بیچتی تھیں، اور منہ مانگے دام لیتی

تھیں۔ خدا خدا کر کے مغرب کا وقت آیا، دستر خوان چنا گیا۔

میر عاشق۔ میں بھی کل قلعے گیا تھا۔ صاحب عالم بہادر کی تصویر پیش کی۔ بہت پسند آئی، مجھے خلعت عطا ہوا اور پچاس اشرفیاں انعام ملیں۔

رشیدہ۔ ہاں اس تصویر کا محل میں بھی ذکر تھا، نواب زینت محل نے بھی یہ تصویر ملاحظہ فرمائی اور انھیں بھی بہت پسند آئی۔

میر عاشق۔ جہاں پناہ کو یہ تصویر اس قدر پسند آئی کہ مجھے "بہزاد ہند" کا خطاب عطا فرمایا۔ اور اپنی شبیہہ مبارک بنانے کی خدمت تفویض کی۔ خدا سلطنت کے اس ٹمٹماتے ہی چراغ کو روشن رکھے کہ اہلِ کمال کی اب بھی کچھ قدر ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ چراغ بھی بجھ گیا تو دنیا میں کوئی ٹھکانا نہیں۔

رشیدہ۔ راجا اجیت کی تصویر میں کیا کسر باقی ہے؟

میر عاشق۔ تیار ہے صرف لے جانے کی دیر ہے۔ اصل میں مہاراجا صاحب کی تصویر پہلے ہی تیار ہو گئی تھی لیکن صاحب عالم بہادر کو چوں کہ عجلت تھی اس لئے ان کی تصویر پہلے پہنچا دی۔

رشیدہ۔ جہاں پناہ کی تصویر کب تک تیار ہو جاوے گی؟

میر عاشق۔ کل سے کام شروع کر دوں گا۔ پندرہ روز میں انشاء اللہ تیار ہو جائے گی۔

محسن۔ جی ہاں عید کا دن زیادہ مناسب ہے۔

رشیدہ۔ محسن! تمہاری ملازمت کو بھی عید کے دن پورا سال گزر جائے گا۔

محسن۔ جی ہاں، اماں جان! حضور اقدس مجھ سے بہت خوش ہیں اکثر سیر کے وقت مجھے سواری کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ امید ہے کہ عید کے دن مجھے بھی کچھ ترقی ملے گی۔

میر عاشق۔ ہاں محسن پر جہاں پناہ بہت مہربان ہیں۔ مجھ سے بھی دو ایک مرتبہ ذکر فرما چکے ہیں۔ (محسن کی طرف متوجہ ہو کر) دیکھو بیٹا! بادشاہ کی خدمت میں کسی طرح کی کمی نہ ہو۔ نمک خواری کا حق ادا کرنا شرافت کی علامت ہے۔

محسن۔ جی ہاں، ابا جان! اور پھر ایسا ولی صفت، محسن، رعیت پرور اور فرشتہ صفت بادشاہ۔

میر عاشق۔ افسوس زمانے نے خاندانِ تیموریہ کی شان و شوکت اور عظمت کو خاک میں ملا دیا۔ اگر اس بادشاہ کو پچھلے بادشاہوں کی سی قدرت حاصل ہوتی تو خدا جانے ملک کو کس قدر نفع پہنچتا اب تو شاہی آمدنی بہت سے رجواڑوں کی آمدنی سے بھی کم ہے اور اختیار تو قلعۂ معلّیٰ کے اندر ہی محدود ہے۔

رشیدہ۔ لیکن سننے میں آتا ہے کہ زمانہ پھر بدلنے والا ہے اور فرنگیوں کی بداعمالیاں رنگ لانے والی ہیں۔

میر عاشق۔ بداعمالیاں کیا رنگ لائیں گی؟ ان کی حکومت ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم ہے کہ اس کی بنیادوں کا ہلنا دشوار ہو گیا ہے۔ ممکن ہے کہ لوگ شور و شر کریں۔ لیکن خود نقصان اٹھائیں گے۔

(نرگس داخل ہوتی ہے)

کیوں نرگس کیا ہے؟

نرگس۔ چھوٹے سرکار تشریف لائے ہیں۔

رشیدہ۔ چلے کیوں نہیں آتے؟ ان سے کوئی پردہ ہے؟

(نرگس جاتی ہے)

میر ناصر آتے ہیں۔

میر ناصر۔ بھائی جان! آداب، بھابھی جان آداب۔
(ابھی دونوں جواب دینے نہیں پاتے کہ محسن اور شبیر آداب کرتے ہیں)
میر ناصر دونوں کو دعائیں دیتے ہیں اور ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں۔
میر ناصر۔ بھائی جان! گرمی کس شدّت کی ہے الامان والحفیظ۔
رشیدہ۔ زبان خشک ہوئی جاتی ہے ایسے روزے اپنی عمر میں نہیں دیکھے۔
میر ناصر۔ سارا دن تہ خانہ میں گزرتا ہے۔ ساری رات جاگتے گزرتی ہے۔
میر عاشق۔ ناصر شہر میں کوئی نئی بات تو نہیں؟
میر ناصر۔ نئی بات؟ روز ایک افواہ گرم ہوتی ہے، خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔
سُنا ہے کہ انگریزوں نے سارے ہندوستان کو کرسشان بنانے کی ٹھان لی
ہے۔ کارتوسوں پر چربی لگائی ہے اور ہندو مسلمانوں کو اُسے اپنے مُنھ میں
رکھنا پڑتا ہے۔ تلنگوں نے بغاوت کا ارادہ کر لیا ہے۔
میر عاشق۔ بغاوت کا ارادہ! دیوانے ہوئے ہیں۔ آخر انگریزوں سے لڑنا کچھ آسان ہے؟
میر ناصر۔ بھائی جان یہ مذہب کا جھگڑا ہے۔ مذاق نہیں ہے۔ ہندوؤں کو شبہ ہے
کہ گائے کی چربی ہے، مسلمانوں کو شبہ ہے کہ سؤر کی چربی ہے، اُسے معمولی سمجھنا غلط ہے۔
رشیدہ۔ ہر روز سینکڑوں قسم کی باتیں مشہور ہوتی ہیں۔ سُنا ہے کہ شاہِ ایران نے باغیوں
کی مدد کا وعدہ کر لیا۔
میر عاشق۔ بس سنتی ہی رہو، شاہِ ایران کا حملہ بہت دشوار ہے۔
محسن۔ مجھے تو ایسا نظر آ رہا ہے کہ بغاوت ہو گئی تو بہت خرابی ہو گی، کہیں ایسا نہ
ہو کہ شاہی خاندان کا چراغ بجھ جائے۔
میر عاشق۔ نہیں اس کا امکان کم ہے اس لیے کہ جہاں پناہ انگریزوں کے مخالف

نہیں۔ لیکن ملک میں بڑا کشت و خون ہونے کا اندیشہ ہے۔
میر عاشق۔ خدا تمام بلاؤں کو دُور رکھے۔ بہت تشویش کا مقام ہے۔
میر ناصر۔ کل ایک صحبت میں مرزا غالب اور استاد ذوق سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بھی بڑی تشویش کا اظہار کرتے تھے
محسن ۔ چچا جان! کل ایسا اتفاق ہوا کہ میں دریبہ میں ایک کتب فروش کی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ایک فقیر کو آتے دیکھا۔ ان کی لال آنکھوں سے جذب کے آثار پائے جاتے تھے۔ وہ دُکان کے سامنے آکے کھڑے ہو گئے اور مجھ سے فرمانے لگے "بیٹا آج تم یہاں بیٹھے ہو کل یہاں خون خرابہ ہونے والا ہے۔ کچھ بچنے کا سامان کرلو"۔ یہ سُن کر میرے اوپر دہشت طاری ہو گئی۔ وہ مجذوب فرمانے لگے "بیٹا! کیوں ڈرتا ہے" یہ آنکھیں ابھی جانے کیا کیا دیکھیں گی"!
میر عاشق ۔ اس کے بعد کیا ہوا ؟
محسن ۔ وہ بزرگ چلے گئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں نے رات کو عشا کی نماز کے بعد اُنھیں خواب میں دیکھا۔ وہ کھڑے ہوئے ہیں اور بازار میں کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ انھوں نے میری طرف دیکھا اور فرمایا "دیکھو ہم نہ کہتے تھے" اتنے میں میری آنکھ کھُل گئی۔
رشیدہ ۔ اللہ رحم کرے۔
میر عاشق ۔ خواب و خیال ہے۔ مجذوب نے بغاوت وغیرہ کا کچھ ذکر سُن لیا ہوگا، اس کا تم سے ذکر کر دیا۔ تمھیں رات بھر خیال رہا۔

رشیدہ۔ ممکن ہے۔ بیٹا میں صدقہ دے دوں گی، ایسا خواب دیکھنے کے
بعد صدقہ دے دینا چاہیے۔

میر ناصر۔ ان باتوں کا ذکر جانے دیجیے۔ خواہ مخواہ وحشت ہوتی ہے، میں تو آپ کی خدمت میں مبارک باد کے لئے حاضر ہوا تھا۔ واللہ صاحب عالم بہادر کی ایسی تصویر بنائی ہے کہ عقل حیران ہے۔ پرانے اساتذہ سے ملا دی ہے۔ اگر استاد منصور کی تصویر کے برابر رکھ دی جائے تو تمیز کرنے میں دقت ہو گی کہ دونوں کے قلم میں کیا فرق ہے۔

میر عاشق۔ ہاں۔ لیکن میرے بعد یہ فن مُردہ ہے۔ میں نے بڑی جانکاہی سے اسے زندہ رکھا ہے، شاہی خاندان میں تو کچھ پوچھ گچھ ہے ورنہ اب ان تصویروں کو کون پوچھتا ہے؟ میری بھی یہ حالت ہے کہ روز بروز بصارت کم ہوتی جاتی ہے، ہاتھ میں رعشہ پیدا ہونے لگا ہے۔ لیکن کل جہاں پناہ نے اپنی شبیہ بنانے کا حکم دیا ہے، اس کی ضرور تعمیل کروں گا۔ مگر اس کے بعد کوئی تصویر نہیں بناؤں گا۔

میر ناصر۔ نہیں ایسا ارادہ نہ کیجیے۔

میر عاشق۔ بھائی تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی نقاش خود تصویر بنانی چھوڑ سکتا ہے۔ زمانہ قدر دانی کرے یا نہ کرے۔ وہ اپنے دل کے ولولے کا کیا علاج کرے گا اس کے لیے تصویر بنانی اسی قدر ضروری ہے جس قدر کھانا کھانا، بلکہ وہ فاقہ برداشت کر سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تصویر نہ بنائے

میر ناصر۔ سچ ہے میرا بھی یہی حال ہے، جب تک میں شعر نہیں کہہ لیتا دل کو

تسکین نہیں ہوتی، مرزا غالب کے کلام کو بہت سے نہیں سمجھتے اور اسے مہمل بتاتے ہیں لیکن انھیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں خود فرماتے ہیں۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

میر عاشق۔ ہاں درست ہے اور چونکہ میرے قوی جواب دے رہے ہیں لہٰذا میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ ایک ایسی تصویر بناؤں جو دُنیا میں یادگار رہے۔ جہاں پناہ کی تصویر میں اپنی تمام صنعت ختم کردوں گا، اس لئے کہ وہ تصویر شاہی خزانے میں محفوظ رہے گی اور اس طرح میرا نام بھی زندہ رہے گا۔

میر ناصر۔ خدا آپ کے ارادے کو کامیاب کرے۔

میر عاشق۔ چونکہ زمانے کی حالت نازک ہے اور کسی چیز کو استقلال نہیں، خدا جانے کل کیا واقعہ پیش آئے، اس لیے میں اس کام میں حتی الوسع عجلت کروں گا اور تصویر جلد سے جلد تیار کرلوں گا۔

میر ناصر۔ بھائی جان میں اجازت چاہتا ہوں، قلعۂ معلّٰی میں حاضری کا ارادہ ہے۔

میر عاشق۔ تمہیں آئے ہوئے تو ذرا بھی دیر نہیں ہوئی، اتنی عجلت کیا ہے؟

میر ناصر۔ جی ہاں! جی تو میرا بھی جانے کو نہیں چاہتا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ جہاں پناہ کے دربار میں حاضر ہوں۔

میر عاشق۔ اچھی بات ہے فی امان اللہ۔

(میر عاشق آداب کرتے ہیں۔ جاتے ہیں)

محسن۔ میں بھی اجازت چاہتا ہوں۔

میر عاشق۔ جاؤ خدا حافظ۔
(محسن آداب کرکے جاتا ہے)
بیٹا شبیر! تم مدرسہ نہیں گئے؟
شبیر۔ جی ہاں اب جاتا ہوں ......
(ابھی اٹھ کر ہی کھڑا ہوتا ہے کہ نرگس داخل ہوتی ہے۔
نرگس۔ (چہرے سے خوف و ہراس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں) سرکار غضب ہو گیا۔
میر عاشق۔ کیا ہوا؟
نرگس۔ اے حضور! شہر میں غدر ہو گیا۔ اور پوربیے آگئے۔
رشیدہ۔ غدر ہو گیا! پوربیے آگئے! کیا کہتی ہے؟
نرگس۔ جی ہاں سرکار۔
میر عاشق۔ تجھے کیوں کر معلوم ہوا؟
نرگس۔ حضور محسن میاں کی سسرال سے ماما آئی ہے وہ بیان کرتی ہے۔ اسی سے مجھے یہ حال معلوم ہوا۔
میر عاشق۔ خدا خیر کرے، جس بات کا اندیشہ تھا وہی ظہور میں آیا۔
رشیدہ۔ محسن، محسن میرا بچہ محسن ابھی باہر گیا ہے...... اسے بلانا چاہیئے کس کو بھیجوں؟
میر عاشق۔ تم گھبراؤ نہیں، گھبرانے سے کیا حاصل؟ پہلے اس ماما کو بلوا کر حال پوچھنا چاہیئے۔ اگر وہ عورت ذات یہاں تک آسکتی ہے تو محسن مرد بچہ ہے۔ گھبرانے کی

تسکین نہیں ہوتی۔ مرزا غالب کے کلام کو بہت سے نہیں سمجھتے اور اسے مہمل بتاتے ہیں لیکن انھیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں خود فرماتے ہیں۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

میر عاشق۔ ہاں درست ہے اور چونکہ میرے قویٰ جواب دے رہے ہیں لہٰذا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ایک ایسی تصویر بناؤں جو دُنیا میں یادگار رہے۔ جہاں پناہ کی تصویر میں اپنی تمام صنعت ختم کر دوں گا، اس لئے کہ وہ تصویر شاہی خزانے میں محفوظ رہے گی اور اس طرح میرا نام بھی زندہ رہے گا۔

میر ناصر۔ خدا آپ کے ارادے کو کامیاب کرے۔

میر عاشق۔ چونکہ زمانے کی حالت نازک ہے اور کسی چیز کو استقلال نہیں، خدا جانے کل کیا واقعہ پیش آئے، اس لئے میں اس کام میں حتی الوسع عجلت کروں گا اور تصویر جلد سے جلد تیار کر لوں گا۔

میر ناصر۔ بھائی جان میں اجازت چاہتا ہوں، قلعۂ معلیٰ میں حاضری کا ارادہ ہے۔

میر عاشق۔ تمہیں آئے ہوئے تو ذرا بھی دیر نہیں ہوئی، اتنی عجلت کیا ہے؟

میر ناصر۔ جی ہاں! جی تو میرا بھی جانے کو نہیں چاہتا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ جہاں پناہ کے دربار میں حاضر ہوں۔

میر عاشق۔ اچھی بات ہے فی امان اللہ۔

(میر عاشق آداب کرتے ہیں۔ جاتے ہیں)

محسن۔ میں بھی اجازت چاہتا ہوں۔

میر عاشق۔ جاؤ خدا حافظ۔
(محسن آداب کر کے جاتا ہے)
بیٹا شبیر! تم مدرسے نہیں گئے؟

شبیر۔ جی ہاں اب جاتا ہوں ۔۔۔۔۔
(ابھی اٹھ کر ہی کھڑا ہوتا ہے کہ نرگس داخل ہوتی ہے۔

نرگس۔ (چہرے سے خوف و ہراس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں) سرکار غضب ہو گیا۔

میر عاشق۔ کیا ہوا؟

نرگس۔ اے حضور! شہر میں غدر ہو گیا۔ اور پوربیے آگئے۔

رشیدہ۔ غدر ہو گیا! پوربیے آگئے! کیا کہتی ہے؟

نرگس۔ جی ہاں سرکار۔

میر عاشق۔ تجھے کیوں کر معلوم ہوا؟

نرگس۔ حضور محسن میاں کی سسرال سے ماما آئی ہے وہ بیان کرتی ہے۔ اُسی سے مجھے یہ حال معلوم ہوا۔

میر عاشق۔ خدا خیر کرے، جس بات کا اندیشہ تھا وہی ظہور میں آیا۔

رشیدہ۔ محسن، محسن میرا بچہ محسن ابھی باہر گیا ہے۔۔۔۔۔۔ اسے بلانا چاہیئے کس کو بھیجوں؟

میر عاشق۔ تم گھبراؤ نہیں، گھبرانے سے کیا حاصل؟ پہلے اس ماما کو بلوا کر حال پوچھنا چاہیئے۔ اگر وہ عورت ذات یہاں تک آسکتی ہے تو محسن مرد بچہ ہے گھبرانے کی

کوئی بات نہیں ہے . . . . نرگس اس ماما کو یہاں بلا لا۔

نرگس ۔ جی اچھا سرکار۔

(جاتی ہے)

رشیدہ ۔ یا اللہ تو خیر کرے میرا بچہ خیریت کے ساتھ واپس آجائے۔

شبیر ۔ ابّا میاں میں جاکر دیکھوں کہ بھائی جان کہاں گئے۔

میر عاشق ۔ نہیں بیٹا تمہارے جانے کا کام نہیں ہے، میں خود جاکر لاؤں گا لیکن پہلے حالات تو معلوم ہو جائیں۔

(ذرا سے توقف کے بعد گلشن داخل ہوتی ہے پیچھے پیچھے نرگس ہے، گلشن گھبرائی ہوئی ہے، سانس چڑھا ہوا ہے ۔ ہوش و حواس پراگندہ ہیں)

رشیدہ ۔ بی گلشن! کیوں کیا خبر لائی ہو؟

گلشن ۔ مجھے بیگم صاحب نے آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ محسن میاں کہاں ہیں؟ زاہدہ بیگم اچھی طرح ہیں؟

رشیدہ ۔ ہاں خدا کا شکر ہے، لیکن اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟

گلشن ۔ اے سرکار! شہر میں غدر ہوگیا، دوکانیں بند ہیں، بازاروں میں سوار پھر رہے ہیں، سڑکوں پر خاک اڑ رہی ہے ۔ اس سے نواب صاحب اور بیگم صاحبہ نے حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

میر عاشق ۔ سواروں کو تم نے آنکھ سے بھی دیکھا یا سُنی سُنائی کہتی ہو۔

گلشن ۔ جی ہاں سرکار! میں نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں ۔ جامع مسجد کے نیچے پانچ سات سوار پھر رہے تھے، بلکہ میرے پیچھے پیچھے شاہ بولا کی بڑھ تک آئے ہیں

روشن پورہ میں چلی آئی اور وہ قاضی حوض کی طرف چلے گئے۔

میر عاشق۔ کس وضع کے سوار تھے؟ کیسے کپڑے تھے، اور کیسے گھوڑے تھے؟

گلشن۔ کپڑے تو ان کے سفید ہی تھے، مگر گھوڑوں کا سامان انگریزی تھا۔

میر عاشق۔ گلشن! تم جا کر نواب صاحب سے میرا سلام کہنا، اس وقت تک خدا کے فضل سے خیریت ہے، محسن میاں ذرا دیر ہوئی باہر گئے ہیں۔ وہ عجیب حال دیکھیں گے تو ضرور واپس آجائیں گے۔

(نرگس اور گلشن واپس جاتی ہیں)

رشیدہ۔ مجھے معلوم ہوتا تو محسن کو گھر سے نہ نکلنے دیتی۔

میر عاشق۔ تم ایسی باتیں نہ کرو، فکر مجھے بھی ہے لیکن محسن مرد بچہ ہے، زمانہ نازک ہے نہ جانے کیا فساد پیش آئے۔ ایسی حالت میں، ہمت بندھی تو اچھا ہے۔ اور مردوں کو تو خدا نے خطروں کا مقابلہ کرنے کے لئے بنایا ہی ہے۔

(نرگس پھر داخل ہوتی ہے)

نرگس۔ سرکار! چھوٹے سرکار تشریف لا رہے ہیں۔

میر عاشق۔ بلاؤ، ان سے کچھ حال معلوم ہوگا۔

(نرگس جاتی ہے تھوڑی دیر میں میر ناصر آتے ہیں)

میر عاشق۔ کہو بھائی ناصر کیا خبر لائے ہو؟

میر ناصر۔ میں یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ شہر میں غدر ہو گیا۔

میر عاشق۔ یہ اطلاع تو مجھ تک پہنچ گئی، اگر کچھ حالات معلوم ہوں تو بیان کرو۔

میر ناصر۔ میں قلعے جا رہا تھا کہ یہاں دروازہ ہی پر ایک دوست مل گئے، ان سے

معلوم ہوا کہ صبح ظلِ سبحانی فریضۂ فجر سے فارغ ہو کر جھروکوں میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے تھے، سواری کی تیاری تھی کہ حضور نے دریا کی طرف میر بحری کے بنگلے پر آگ لگی ہوئی دیکھی۔ دریا کے کنارے پر گرد و غبار نظر آیا۔ میر فتح علی داروغہ کہاران کو حکم ہوا کہ حالات دریافت کرے۔ اس نے ایک سوار سرپٹ بھیجا، وہ سوار ابھی سلیم گڑھ تک پہنچا تھا کہ پُل پر سے بے تحاشہ آدمیوں کو اس طرف دوڑتے ہوئے دیکھا، ان سے معلوم ہوا کہ دہلی پر کسی غنیم نے حملہ کر دیا۔

میر عاشق ۔ پھر اس غنیم کو روکنے کی کوئی صورت عمل میں آئی۔

میر ناصر ۔ عرض کرتا ہوں! جہاں پناہ نے تمام ملازمان شاہی کو طلب کیا۔ اس عرصہ میں کوتوال اور قلعہ دار کو دروازوں کی حفاظت کا حکم ہوا اور شاہی فوج کا ایک دستہ پل جلانے اور غنیم کو روکنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ لیکن اس دستہ کے پہنچنے سے قبل غنیم نے پُل عبور کر لیا اور شاہی ملازموں کو واپس آنا پڑا۔ انھوں نے آ کر جھروکہ کی ڈیوڑھی کو معمور کر دیا۔

میر عاشق ۔ لیکن یہ غنیم کون ہے؟ کس کی فوج ہے؟ کس نے چڑھائی کی ہے؟

میر ناصر ۔ ابھی عرض کرتا ہوں، یہ انگریزوں کی دیسی فوج ہے جس نے بغاوت کر دی ہے۔

میر عاشق ۔ اچھا پھر کیا ہوا؟

میر ناصر ۔ ان باغیوں نے جھروکوں کے نیچے پہنچ کر پرے جمائے اور باقاعدہ فوجی سلامی ادا کی۔ جہاں پناہ نے حکیم احسن اللہ خاں کو حکم دیا کہ استفسارِ حال کریں اور پوچھیں کہ یہ لوگ کون ہیں، اور کیا چاہتے ہیں۔ اس پر اُن کے افسر آگے بڑھے اور

ہاتھ جوڑ کر تقریر کی جس کا مطلب یہ تھا کہ انگریزوں نے ان کے دین و آئین میں مداخلت شروع کر دی ہے، اس وجہ سے وہ بغاوت پر مجبور ہیں۔ جب تک انگریزوں نے ان کے مذہب سے تعرّض نہ کیا تھا انھوں نے بھی جانفشانی میں کمال کر دکھایا تھا اور تمام ملک پر ان کی حکومت قائم کرا دی تھی۔ اب فریادی ہو کر جہاں پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ حضور اس معاملے میں اُن کی حمایت کریں۔ اور انگریزوں کو جو اُن کے مختار ہیں اور اُن کی طرف سے حکمراں ہیں حکم دیں کہ مذہبی مداخلت سے باز آئیں۔

رشیدہ۔ حضور نے کیا حکم دیا۔

میر ناصر۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے بادشاہ کون کہتا ہے؟ میں تو فقیر ہوں ایک تکیہ بنائے ہوئے اپنی اولاد کو لیے بیٹھا ہوں، بادشاہت تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی، سلطنت کو گئے ہوئے سو سال گزر گئے ہیں۔ میں تو ایک گوشہ نشین آدمی ہوں مجھے ستانے کیوں آئے ہو؟ میرے پاس خزانہ نہیں کہ میں تم کو تنخواہ دوں گا۔ میرے پاس ملک نہیں کہ تحصیل کر کے تمھیں نوکر رکھ لوں گا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھ سے کسی طرح کی توقع استعانت کی نہ رکھو، البتہ یہ امر میرے اختیار میں ہے کہ میں تمھاری انگریزوں سے صفائی کرا دوں، تم ابھی یہیں ٹھہرے رہو۔ میں نے صاحب کلاں بہادر کو بلوایا ہے، وہ میرے پاس آنے والے ہیں۔ پہلے اُن سے زبانی دریافت کر لوں اور خدا نے چاہا تو میں اس فتنہ و فساد کو رفع کرا دوں گا۔

میر عاشق۔ بالکل بجا ارشاد فرمایا، مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ یہ لوگ اس ٹمٹماتے

چراغ گل کر کے بجھا دیں گے اور بادشاہ کی ڈیوڑھی میں مٹی خراب کرائیں گے۔

میر ناصر۔ صاحب کلاں بہادر تشریف لائے تو حضور نے اُن سے استفسارِ حال کیا۔ فرمایا "کیوں بھئی یہ کیا فتنہ و فساد بپا ہو گیا؟ یہ مذہب کا جھگڑا کیسا اُٹھ کھڑا ہوا؟ یہ مقدمہ دین و آئین کا ہے۔ تعصبِ مذہبی بہت بُری شے ہے۔ اس میں اکثر سلطنتیں معرضِ زوال میں آگئیں۔ لاکھوں آدمیوں کا کشت و خون ہو گیا۔ اس فتنہ کا جلد انسداد ہونا واجب ہے۔ مبادا فتنہ فساد ہندوستان میں عام ہو جائے اور لاکھوں آدمیوں کا کشت و خون ظہور میں آئے۔ انتظامِ مال و ملکی میں فرق واقع ہو۔ جہاں تک ممکن ہو صلح و آشتی سے کام نکالنا چاہیے فرقۂ سپاہ جاہل ہوتا ہے اُن سے تھپک کر کام نکالنا چاہیے۔"

میر عاشق۔ حضور نے بالکل صحیح فرمایا۔ صاحب کلاں بہادر نے کیا جواب دیا۔

میر ناصر۔ وہ تیار ہو گئے اور ان باغیوں کو سمجھانے کے لیے گئے۔ تسبیح خانہ کے صحن میں کٹہرے کے برابر کھڑے ہو کر باغیوں کو سمجھایا بجھایا اور انجیل کی قسم کھائی کہ وہ اس معاملہ کو رفع دفع کرا دیں گے۔ لیکن باغیوں کو یقین نہ آیا، اُنھوں نے انگریزوں کی بدعہدی کا ذکر کیا۔ غرض اسی گفت و شنید میں ایک شخص نے اُٹھا کر بندوق چلا دی لیکن صاحب کلاں بہادر بچ گئے۔ اب انھوں نے شہر کی حفاظت کا انتظام کیا اور امید تھی کہ باغی شہر میں داخل نہ ہو سکیں گے۔ لیکن جمنا گھاٹ پر جہاں نجیب پہرہ دار تھے اشنان والوں نے جمنا کی طرف جانا چاہا، پہرہ داروں نے روکا، اس پر فساد ہو گیا۔ اور اسی چپقلش میں پوربیے شہر میں داخل ہو گئے۔

(محسن داخل ہوتا ہے)

رشیدہ - اللہ کا شکر ہے! میرا بچہ آگیا! میں واری جاؤں! میں قربان جاؤں! (اُٹھ کر بلائیں لیتی ہے) میرا بچہ آگیا؟

محسن - آپ کو غدر کا حال معلوم ہو گیا؟

میر عاشق - ہاں سُن لیا۔ تم کہاں گئے تھے؟

محسن - میں قلعہ معلّیٰ جا رہا تھا کہ راستے میں فتنہ و فساد دیکھا۔

میر عاشق - کیا حال ہے؟ تم نے کیا دیکھا؟

محسن - سوارانِ باغیہ راج گھاٹ کے دروازے سے شہر میں داخل ہوئے اور سنہری مسجد اور نہر مائل کے علاقے میں پہنچ گئے اور وہاں لوٹ مار مچا دی اور بعض بے گناہوں کو قتل کر دیا۔ یہ خبر مشہور ہوتے ہی تمام شہر کے بدمعاش ان کے ساتھ ہو گئے اور شہر میں لوٹ مار کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ باغی قلعہ کے دروازے تک پہنچ گئے۔ وہاں جا کر انھوں نے دریافت کیا کہ انگریز کہاں ہیں؟ کسی نے کلکتہ دروازہ کا نام لے دیا۔ یہ سنتے ہی سوارانِ باغیہ میں سے پانچ سواروں نے کلکتہ دروازہ کی طرف گھوڑوں کی باگیں اُٹھا دیں اور سرپٹ گھوڑے بگٹٹ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ باقی سوار زیرِ دیوارِ قلعہ لبِ خندق لال ڈگی کی سڑک پر کھڑے رہے۔

رشیدہ - وہ پانچ سوار تو ضرور مارے گئے ہوں گے۔

محسن - جی نہیں یہ پانچ سوار آندھی بگولے کی طرح گرد اڑاتے ہوئے بے تحاشہ قریب کلکتہ دروازہ پہنچے اور اُن کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز محافظانِ دروازہ جو بالائے دیوارِ شہر پناہ زندوں میں بندوقیں نکالے ہوئے سواروں کے انتظار میں کھڑے

ہوئے پُل کی طرف دیکھ رہے تھے، ان کے کان میں پہنچی اور پشت پھیر کر جو سواروں کو آتے ہوئے دیکھا یکبارگی سب کے اوسان خطا ہو گئے اور کسی کے منہ سے نکلا "اے وہ تو یہ آ گئے" بس یہ کہنا غضب ہو گیا۔ ڈنڈی پر دو ڈنڈی۔ نیچے جتنے انگریز اور کوتوال اور تھانہ دار اور نجیب کھڑے تھے سب کے پاؤں اکھڑ گئے اور کسی کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ ان پانچ سواروں پر حملہ کرے۔

میر ناصر۔ ان سواروں کا رعب ایسا طاری ہوا؟

محسن۔ جی ہاں! ڈنڈے پر کود کود کر سب مکھ موت دروازے کی طرف فرار ہو گئے۔

میر عاشق۔ اس وقت اگر یہ لوگ مٹھی مٹھی بھر خاک ڈال دیتے تو وہ سب کر مر جاتے۔

محسن۔ استغفراللہ! کس کی ہمت تھی کہ ان کے مقابل ہوتا، جیسے بکریوں میں شیر آن پڑا۔ بھاگنے کے علاوہ کسی کو چارہ نہ سوجھا۔ صرف صاحب کلاں بہادر اور قلعہ دار رہ گئے، ان کی بگھیوں کو باغیوں نے گھیر لیا۔

(نرگس داخل ہوتی ہے)

میر عاشق۔ کیوں نرگس کیا خبر لائی ہو؟

نرگس۔ میاں دربان نے ابھی اطلاع دی ہے کہ ڈیوڑھی سے ایک چوبدار کچھ حکم لے کر آیا ہے۔

(محسن کھڑا ہو جاتا ہے)

محسن۔ بس دیوان خانہ میں جاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ظلِ سبحانی نے یاد فرمایا ہے۔

میر عاشق۔ جاؤ بیٹا! حال دریافت کرو کہ کیا حکم ہے؟

محسن ۔ بہت اچھا۔

(محسن جاتا ہے سب اس کی طرف دیکھتے رہتے ہیں، جب چلا جاتا ہے،
میر ناصر اور میر عاشق ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

میر عاشق ۔ بھئی یہ فتنہ و فساد اچھا نہیں، خدا خیر کرے ۔

میر ناصر ۔ جناب ان پوربیوں نے شہر میں کئی دکانیں لوٹ لیں اور شہر کے بدمعاش
ان کے ساتھ مل کر . . . .

میر عاشق ۔ ہاں ایسے زمانہ میں عزت و آبرو کا بچنا دشوار ہے ۔

(نرگس دربان سے جا کر کہہ دو کہ اپنی بندوق بھر لے اور دوسرے خدمتگار
بھی حفاظت کے لئے تیار رہیں ۔)

نرگس ۔ بہت اچھا سرکار!

(جاتی ہے)

میر ناصر ۔ میں اب گھر جاتا ہوں، آپ کو اطلاع کر دی ۔ اب جا کر گھر کا
انتظام کیا چاہیے ۔

میر عاشق ۔ ہاں سچ ہے، جلدی جاؤ اور بہت ہوشیاری سے کام لینا ۔
خدا جانے کس وقت کیا صورت پیش آئے ۔ خدا خیر کرے ۔

(شبیر جو اس تمام عرصہ میں سہما ہوا بیٹھا رہا ہے اپنی ماں سے چمٹ کر بیٹھ
جاتا ہے)

رشیدہ ۔ کیوں بیٹا تم کیوں ڈرتے ہو؟

شبیر ۔ کچھ نہیں اماں جان، مجھے یہ تمام باتیں سن سن کر ڈر لگتا ہے ۔ یہ پانچ سوار

یہاں تو نہ آجائیں گے ؟

رشیدہ ۔ خدا نہ کرے ۔

شبیر ۔ امّی جان اگر آگئے تو کیا ہو گا ؟

میر عاشق ۔ بیٹا یہاں آؤ ۔

(شبیر اُن کے پاس جاتا ہے، اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیتے ہیں) بیٹا خدا ہم سب کو بچانے والا ہے اس سے دعا مانگو کہ سب بلاؤں سے بچائے ۔ وہی سب سے بڑا بچانے والا ہے ۔ تم معصوم ہو تمہاری دعا مقبول ہوتی ہے ۔ (رشیدہ سے مخاطب ہو کر) مکان کا قیمتی سامان تہ خانہ میں ہمارا کرا دو ۔ میں کفر کہاں معمور کرا دوں گا ۔ اپنی سی کوشش کر لینی چاہیئے ۔ آئندہ خدا مالک ہے ۔

رشیدہ ۔ سچ ہے ۔ میں جاتی ہوں ۔

(جانے کے لئے کھڑی ہوتی ہے)

شبیر ۔ امّی جان! میں بھی چلوں ؟

رشیدہ ۔ نہیں بیٹا تم کیا کرو گے ۔ تم اپنے ابّا جان کے پاس رہو ۔

شبیر ۔ بہت اچھا ۔

(محسن داخل ہوتا ہے)

میر عاشق ۔ کیوں چوبدار کیا حکم لایا تھا ؟

محسن ۔ باغیوں نے صاحب کلاں اور قلعہ دار صاحب کا قلعے تک تعاقب کیا دونوں صاحب قلعہ کے چھتے میں داخل ہوئے، اور چھتے سے گزر کر زینہ میں چڑھے تھے،

باغیوں نے محافظانِ دروازہ سے کہا کہ تم ان کے ساتھی ہو یا دین کے؟ انھوں نے کہا "دین کے"۔ انھوں نے کہا "پھر تم دروازہ کیوں نہیں کھول دیتے"؟ انھوں نے دروازہ کھول دیا۔

اس پر باغیوں نے جا کر دونوں صاحبوں کو مار ڈالا۔

میر عاشق ۔ غضب ہو گیا۔ چوبدار بس یہی اطلاع دینے آیا تھا؟

(رشیدہ واپس آتی ہے)

محسن ۔ جی نہیں حضورِ والا کا حکم ہے کہ تمام ملازم حاضر ہوں اور قلعے میں موجود رہیں بس اب کپڑے پہن کر جاتا ہوں۔

رشیدہ ۔ میرا لال! میرے بچے! میں تجھے نہیں جانے دوں گی۔

محسن ۔ اماں جان! آپ خوشی سے اجازت دیجیے، اللہ نگہبان ہے۔ کوئی اندیشہ نہیں ہے اور ملازمانِ سرکاری بھی حضوری میں موجود ہیں۔ باقی اب جائیں گے۔

رشیدہ ۔ میں اپنے لال کو کیونکر جدا کروں۔

محسن ۔ اماں جان! عمر بھر بادشاہ کا نمک کھایا ہے جب ایسے نازک وقت پر بادشاہ طلب کریں تو حکم عدولی کیونکر ممکن ہے۔

میر عاشق ۔ تم جا کر کہاروں سے کہو کہ پالکی دروازہ پر لگائیں۔ میں خود جاتا ہوں....

محسن ۔ نہیں ابّا جان! آپ کی عمر کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ تشریف رکھیں، آپ کی حاضری معاف ہے۔ میرے لئے حکم ہے مجھے خوشی سے جانے دیجیے۔

رشیدہ ۔ یا اللہ تو میرے لال کا محافظ ہے۔ ٹھہرنا میں ابھی آتی ہوں۔

(عجلت سے باہر جاتی ہے)

میرعاشق ۔ بیٹا تم ہماری آنکھوں کے نور اور دِل کے سرور ہو، تمہیں ہم کیوں کر جدا کریں؟

محسن ۔ ابّا جان! آپ سے میں کیا عرض کر سکتا ہوں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجیے اور مجھے اجازت دیجیے اور کچھ ایسی تردّد کی بھی بات نہیں ہے میں جا کر مسلّح ہوتا ہوں، یوں آسانی سے جان بھی نہیں دوں گا۔

میرعاشق ۔ نہیں بیٹا خبردار! ایسا مت کرنا، معمولی کپڑے پہن کر دربار میں حاضر ہو، جب وہاں سے کچھ حکم ملے تو کرنا ...... باغی مسلح آدمیوں پر ضرور وار کریں گے ۔ قلعے تک پہنچنے کے لیے یوں ہی جانا مناسب ہے۔

محسن ۔ جو ارشاد ہو تعمیل کروں گا۔

میرعاشق ۔ بس ایک پستول لیتے جاؤ۔ خدا جانے کیا وقت ہے، کیا موقع ہے۔

(رشیدہ داخل ہوتی ہے ..... ہاتھ میں ایک کپڑے کی پٹّی ہے اس میں روپیہ باندھ کر محسن کے بازو پر باندھتی ہے)

رشیدہ ۔ یا اللہ! تو میرے بچّے کی نگہبانی کر اور خیریت کے ساتھ یہاں پہنچا۔

میرعاشق ۔ آمین۔

محسن ۔ اب میں اجازت چاہتا ہوں۔

(شبّیر رونے لگتا ہے، محسن اُسے اُٹھا کر گود میں لیتا ہے، پیار کرتا ہے)

محسن ۔ بھائی، میری جان! روتے کیوں ہو؟ میں ابھی واپس آجاؤں گا، گود

سے اُتار دیتا ہے) میر عاشق گلے لگاتے ہیں) امّاں جان (رشیدہ گلے لگاتی ہے)

رشیدہ - جاؤ بیٹا! اللہ تمہیں خیریت سے لائے۔ جس طرح اس وقت پیٹھ دکھائی ہے اسی طرح منہ دکھائے۔

میر عاشق - فی امان اللہ۔

(محسن دونوں کو آداب کرتا ہے اور جاتا ہے، پہلے سب ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے ہیں، پھر شبیر روتا ہے، رشیدہ اسے گود میں اٹھا لیتی ہے۔

(پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

دوسری مجلس

وقت ۱۰ بجے صبح

وہی دالان ہے جو پہلی مجلس میں تھا۔ لیکن اب چونکہ رمضان کا مہینہ ختم ہو چکا ہے، لہذا ایک کونے میں چھوٹی سی چوکی پر پاندان رکھا ہے، دوسرے کونے میں دوسری چوکی پر ایک صراحی اور چاندی کا ایک کٹورہ۔ کبھی کبھی توپ کی آواز آتی ہے، اس لئے کہ شہر محصور ہے اور انگریزوں اور باغیوں کی جنگ جاری ہے۔ مسند پر رشیدہ بیٹھی ہوئی سی رہی ہے، ایک طرف زاہدہ بیٹھی ہوئی چکن کاڑھ رہی ہے۔ پردہ اٹھنے کے بعد زاہدہ اپنے سینے پرونے کا کام اکٹھا کر کے ایک طرف رکھ دیتی ہے۔

زاہدہ۔ امی جان! آپ تھک گئیں؟

رشیدہ۔ تھک کیا گئی بیٹی، نگوڑا کسی کام میں جی نہیں لگتا، ہزار لاکھ دل بہلانے

کے سامان کرتی ہوں مگر وہ ہول سوار ہے کہ ایک لحظہ کے لیے دل سے
خیال نہیں نکلتا۔ . . . . ان رات دن کی لڑائیوں نے دل میں ٹھکانا
نہیں چھوڑا۔

زاہدہ ۔ جی ہاں، مگر امی جان جو خدا کا حکم ہے، اس کے حکم میں کسے دم
مارنے کی گنجائش ہے۔

رشیدہ ۔ بیٹی یہ سچ ہے لیکن آدمی اپنے جی کو کیا کرے، آج مہینہ بھر سے زیادہ
ہو گیا ایک دن اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ بس ہر وقت یہی فکر
ہے کہ کل خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔ پہلے پوربیوں نے شہر کو لوٹا اور
کئی دن تک شہر والوں کا آب و دانہ بند رہا۔ اب انگریزوں نے چڑھائی
کر دی ہے، دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

زاہدہ ۔ ابھی تک تو پوربیے لڑ رہے ہیں اور انگریزوں کی فوج شہر میں
پہنچی ہے۔

رشیدہ ۔ بیٹی کیا ٹھیک ہے۔ یہ لڑائی ہے اس میں بنتے بگڑتے کیا دیر لگتی
ہے۔

(نرگس داخل ہوتی ہے)

نرگس ۔ بیگم صاحبہ! سرکار تشریف لاتے ہیں۔

(زاہدہ اپنے سینے پرونے کا سامان قرینے سے باندھتی ہے اور اٹھ کر
چلی جاتی ہے)

رشیدہ ۔ نرگس جا کر اطلاع کر دے سرکار تشریف لے آئیں۔

د نرگس جاتی ہے ...... میر عاشق ذرا دیر میں داخل ہوتے ہیں۔ رشیدہ اتنی دیر میں مسند خالی کر دیتی ہے ...... میر عاشق کے ہاتھ میں ایک لبستہ ہے ...... آکر بیٹھ جاتے ہیں)

میر عاشق - آج سوا مہینے کی محنت پوری ہو گئی۔

رشیدہ - تصویر پوری ہو گئی۔

میر عاشق - ہاں پوری ہو گئی۔

رشیدہ - دیکھوں۔

میر عاشق - (میر عاشق کھول لیتے ہیں اور تصویر نکال کر دکھاتے ہیں)

رشیدہ - یہ تصویر واقعی بہت اچھی ہے ..... جہاں پناہ کی کیسی اچھی تصویر ہے۔ خدا اس جھگڑے سے نجات دلائے تو یہ تصویر بادشاہ کو پیش کر دو۔

میر عاشق - بس یہ میری آخری تصویر ہے۔

رشیدہ - نوج ایسا کلمہ منہ سے نہ نکالو، خدا نہیں بہت دن تک سلامت رکھے، ایسی ایسی بیسیوں تصویریں بناؤ۔

میر عاشق - نہیں بیگم! تم اس بات کو نہیں سمجھتیں۔ میں نے یہ تصویر بڑی مشکل سے بنائی ہے، اب میری بصارت نے جواب دے دیا ہے، ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا، بڑی مشکل سے ہاتھ جما ہے، اب نہ مجھ میں تصویر بنانے کی ہمت رہی اور نہ طاقت، میرے قویٰ جواب دے گئے ....
اس کے علاوہ میں نے رات ایک حیرت انگیز خواب دیکھا تھا۔

رشیدہ - کیا خواب تھا؟

میر عاشق۔ میں نے دیکھا کہ میں بیٹھا ہوں اور تصویر میرے ہاتھ میں ہے
.... یکایک تصویر کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا،
پہلے تو اس کے تمام رنگ پھیکے پڑ گئے، پھر جہاں پناہ کی
تصویر کا تاج خود بخود زمین پر گر کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور خاک
میں مِل گیا.......... اور کوئی نامعلوم قوت اُنھیں
کشاں کشاں تصویر کے باہر لے گئی.......... پھر کیا
دیکھتا ہوں کہ تصویر کا کاغذ بالکل سفید ہو گیا اور اس پر جلی حروف
میں "نقشِ آخر" لکھ گیا۔
(رشیدہ کے چہرہ پر خوف کے آثار پیدا ہوتے ہیں، لیکن وہ
ضبط کر کے کہتی ہے)
رشیدہ۔ خواب و خیال ہے۔ اس زمانے کی لڑائیوں نے تمہارے
دل پر اثر کیا ہے۔
میر عاشق۔ نہیں بیگم یہ تمہارا خیال ہے.......... ایسے حیرت انگیز
خواب جھوٹے نہیں ہوتے....... لیکن تم نے ابھی خواب کو پوری
طرح نہ سنا بھی نہیں.......... اس کے بعد میں نے دیکھا کہ
تصویر کا کاغذ خالی دیکھ کر میں نے اپنا قلم اُٹھایا کہ نقش پھر بناؤں
لیکن میرا قلم گر کر جہاں پناہ کے تاج کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور
خاک میں مِل گیا..........
رشیدہ۔ ایسے خوابوں کا خیال نہیں کرتے۔

میر عاشق - نہیں بیگم، اس خواب کی تعبیر بالکل صاف ہے . . . .
میں نے یہ خواب ایسے وقت دیکھا ہے کہ اس وقت کے خواب غلط نہیں ہوتے - میں تہجّد کی نماز پڑھ کر لیٹا تھا، ابھی پوری طرح سویا بھی نہ تھا کہ عالمِ غنودگی میں یہ نظارہ نظر کے سامنے آگیا، اور اس تماشے کو آنکھوں نے دیکھا . . . .

رشیدہ - میں کل ہی صدقہ دے دوں گی . . . . . اگر اس . . . . .

میر عاشق - صدقہ دینا بُرا نہیں، ضرور دے دو۔ لیکن ایسے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو تنبیہ و ہدایت کے لئے دکھائے جاتے ہیں . . . . . .
میں نے اس تصویر پر اپنی تمام صنعت ختم کر دی ہے - اگر زمانے کی دست بُرد سے یہ تصویر بچ گئی تو زمانے میں یادگار رہے گی۔ لیکن بہ ظاہر ہے کہ یہ میرے ہاتھ کی آخری تصویر ہے اور جہاں پناہ کی بھی آخری شبیہ ہے۔ اس کے علاوہ شاید ہمارے فن کا بھی آخری نمونہ ہے، اس لئے کہ اب تک میرے شاگردوں میں سے کسی کے ہاتھ میں یہ صفائی پیدا نہیں ہوئی اور نہ کسی میں تخیّل ہے۔ اس کے علاوہ اب اس فن کی قدر بھی کم ہوتی جاتی ہے اور اگر خدانخواستہ شاہی خاندان کا خاتمہ ہو گیا، تو پھر یہ بات بھی نہیں رہے گی۔

رشیدہ - خدا نہ کرے، شاہی خاندان کا اقبال پھر بلند ہوا ہے، کھوئی ہوئی سلطنت واپس آرہی ہے، انگریزوں کا قبضہ اُٹھ رہا ہے۔

میر عاشق۔ نہیں بیگم یہ بات نہیں ہے .... اس وقت تک دیکھو انگریزی فوج کو برابر فتح ہو رہی ہے۔

رشیدہ۔ کیا خاک فتح ہو رہی ہے۔ شہر پر اب تک ان کا قبضہ نہ ہو سکا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔

میر عاشق۔ نہیں ہو سکتا؟ ہنڈن کی لڑائی میں تو ضرور ہندوستانیوں کو فتح ہوئی اور گوروں کے پیر اُکھڑ گئے لیکن وہ اپنا سارا سامان لے کر نکل گئے۔ اس کے بعد اب تک پانچ لڑائیاں ہو چکی ہیں علی پور کی لڑائی میں کالوں کا بہت نقصان ہوا۔ پھر نصیر آباد کی فوج سے مغلپورہ میں مقابلہ ہوا، اس فوج کو بھی واپس آنا پڑا۔ بخت خاں جرنیل چودہ ہزار کا کمپو اور چند توپ خانے اور دو تین رجمنٹیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ لے کر بریلی سے آیا۔ بیس دن کے بعد وہ لڑنے گیا تو اس کا اور غوث محمد خاں کا کمپو نجف گڑھ کی جھیل کے پاس بارش اور طغیانی نے تباہ کیا، پھر شمرو کی بیگم کی حویلی کا میگزین اُڑ گیا اور اس کے بعد پوربیوں کی غفلت اور جنگ کی برکت سے پہاڑی کے پاس زرو کوٹھی کا مورچہ انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا، غرض آہستہ آہستہ انگریزی فوج دبا رہی ہے۔ چند روز کا قضیہ باقی ہے۔ ..... انگریزوں کا ستارہ اقبال پر ہے اُن کی فتح یقینی نظر آتی ہے۔

(شبیر داخل ہوتا ہے)

شبیر۔ ابّا جان آداب، اماں جان آداب!

(رشیدہ اسے لے کر گلے سے لگاتی ہے)

رشیدہ۔ میری جان! میں قربان جاؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم مدرسے سے بہت جلد چلے آئے۔

شبیر۔ امّاں جان، مولوی صاحب نے چھٹی دے دی اور فرمایا کہ سب بچے گھر جائیں۔ جو زیادہ دور رہتے ہیں اُنھیں وہ خود پہنچاتے آئے ہیں۔

میر عاشق۔ اللہ خیر کرے یہ بے محل چھٹی کیسی؟ یہ مولوی صاحب کا خود بچّوں کو پہنچانے کے لیے جانا کیسا؟

شبیر۔ ابّا جان! بازار میں دوکانیں بند ہیں اور محلہ کا دروازہ بھی بند ہے۔

رشیدہ۔ یا الٰہی خیر! نرگس! نرگس! زور سے بلاتی ہے، نرگس!

میر عاشق۔ کیا بات ہے؟

رشیدہ۔ نرگس کو بلاتی ہوں، دیوان خانے بھیجتی ہوں، وہاں سے کسی ملازم کو دریافتِ حال کے لیے بھیجا جائے۔

میر عاشق۔ ہاں ٹھیک ہے ضرور بھیجو۔

رشیدہ۔ بیٹا شبیر جاؤ نرگس کو بلالاؤ۔

شبیر۔ بہت اچھا امی جان!

جاتا ہے)

میر عاشق۔ دیکھو میں نہ کہتا تھا؟ یہ دوکانوں اور محلّوں کا بند ہونا خالی از علّت نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پوربیوں کو شکست ہو گئی۔

رشیدہ۔ اگر شکست ہو گئی تو کیا ہوگا؟

میر عاشق۔ خدا جانے، لیکن بادشاہ کے متعلق میرا خواب پورا ہوتا نظر آتا ہے۔

رشیدہ ۔ انگریز بادشاہ بیچارے سے کیا بدلہ لیں گے۔ انھوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ وہ تو خود پوربیوں سے ناراض تھے اور طوعاً و کرہاً انھیں شہر میں رہنے کی . . . .

میر عاشق ۔ ہاں بالکل اپنی مرضی کے خلاف! ان میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ باغیوں کو روک سکتے! جب انگریزوں کو مقابلے کی تاب نہ ہوئی تو وہ بیچارے کیا کرتے۔ اُن کے پاس تو اتنی بھی فوج نہ تھی کہ ایک ڈیوڑھی کی رکھوالی کر لیتی۔

(شبیر داخل ہوتا ہے)

شبیر ۔ امی جان! یہ لو میں نرگس کو لے آیا۔

رشیدہ ۔ شاباش بیٹا!

(نرگس داخل ہوتی ہے)

نرگس ۔ جی فرمائیے۔

رشیدہ ۔ نرگس باہر جاؤ اور دیوان خانے میں سے کسی کو باہر بھیج کر دریافت کراؤ کہ بازار کیوں بند ہے، کیا معرکہ ہوا؟

(نرگس جاتی ہے)

میر عاشق ۔ ہاں یہ تو سچ ہے کہ بادشاہ کا کوئی قصور نہیں، لیکن گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔

رشیدہ ۔ لیکن حضرت ظلِّ سبحانی کے خلاف انگریز کیا کر سکتے ہیں وہ بادشاہ ہیں، انگریز اُن کے عامل۔ بادشاہ . . . .

میر عاشق ۔ ہاں تم یہ کہو گی کہ بادشاہ کو اختیار ہے کہ جس عامل کو چاہے علیحدہ

کردے اور جسے چاہے کسی عہدہ پر مامور کرے۔ لیکن بیگم! یہ تمہارا خیال ہے۔ ایسی باتیں سلطنت کے معاملے میں کون سنتا ہے۔

رشیدہ۔ اگر انگریزوں نے بدلہ لیا تو خدا جانے ملازمینِ شاہی کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا .... ان کا تو کچھ بھی قصور نہیں۔

میر عاشق۔ اس کا حال خدا کو معلوم ہے کہ انگریز ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ آج کل ہی اُن کی حالت بری ہے .... اس بغاوت کی وجہ سے انگریزوں کے ہاں سے ایک لاکھ روپیہ جو آتا تھا وہ بند ہو گیا، شاہی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ بھی نہیں رہا، جب خود بادشاہ کے پاس روپیہ نہیں ہے، تو ملازموں کو کہاں سے دیں؟ بیچارے اثاث البیت بیچتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ ...... برا وقت آگیا ہے، خدا جانے کیا مصیبت آنے والی ہے ..... زمانے نے بہت کروٹیں بدلی ہیں، لیکن ایسی اُفتاد کبھی نہ پیش آئی ہوگی۔

شبیر۔ ابّا جان! کیا بات ہے آپ اس قدر رنجیدہ کیوں ہیں۔

میر عاشق۔ نہیں بیٹا رنجیدہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔

شبیر۔ لیکن آپ باتیں تو ایسی کر رہے ہیں جس سے مجھے بھی ڈر لگتا ہے۔

میر عاشق۔ بیٹا تمہارے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے، یہی لڑائی جھگڑے مجھے پریشان کرتے ہیں، اس میں دیکھو تو کتنے آدمی مارے گئے، اور کتنے گھر برباد ہوئے .... اچھے اچھے شریفوں کے گھر اجڑ گئے۔ لوگوں کے کتنے ہی گھر مسمار ہو گئے ....

انہی باتوں کو سوچ رہا ہوں۔

شبیر۔ پھر یہ لوگ ایک دوسرے کو کیوں مارتے ہیں ؟ ناحق اتنا نقصان
کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میر عاشق ۔ ہاں بیٹا سچ ہے ۔

رشیدہ ۔ میری جان محسن میں پڑی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ صبح کا گیا ہوا ہے
اب تک واپس نہیں آیا، یہ دن نگوڑے ایسے ہیں کہ کوئی ذرا آنکھ سے
اوجھل ہوا اور دل بلیوں اچھلنے لگا۔ ہر مرتبہ جب گھر کا کوئی آدمی باہر قدم
دھرتا ہے تو ہر وقت اللہ آمین کہتے ہی گزرتا ہے ۔ ہائے وہ بھی کیا وقت تھا
کہ کسی گھڑی جی کو فکر نہیں ہوتا تھا یا اب آٹھوں پہر فکر ہی رہتا ہے ۔

میر عاشق ۔ وہ مجھ سے یہ کہہ کر گیا تھا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

رشیدہ ۔ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ قلعے گیا ہے ۔ اسی لئے تو مجھے بہت فکر ہے ۔

میر عاشق ۔ ہاں تعجب کی بات ہے ورنہ وہ مجھے آکر کچھ اطلاع ضرور دیتا ۔ آج اتفاق
سے ناصر بھی نہیں آئے، کچھ ایسی ہی بات ہے ورنہ اس کے معمول میں فرق
نہیں آتا ۔

رشیدہ ۔ خدا خیر کرے ، نرگس نگوڑی بھی تو اب تک نہیں آئی، اتنی دیر کی
گئی ہوئی ہے ۔ خدا جانے کیا کر رہی ہے ۔

میر عاشق ۔ آتی ہو گی ! ابھی تو گئی تھی، پھر آدمی کو حال پوچھنے میں دیر لگے گی ۔ یہ تو
ہے ہی نہیں کہ دروازے سے نکلتے ہی تمام باتیں معلوم ہو جائیں ۔

(نرگس داخل ہوتی ہے اس کے چہرے پر پریشانی، بدحواسی اور فکر کے
آثار ہویدا ہیں ۔)

اے لو نرگس آ گئی، کیوں نرگس کیا خبر لائی۔

نرگس۔ سرکار چوبدار ابھی واپس آیا ہے اور کہتا ہے کہ انگریزوں کا شہر پر قبضہ ہو گیا اور پوربیے بھاگے ہوئے جا رہے ہیں۔ اس لیے دکانیں بند ہیں اور محلہ کے دروازے بھی بند ہیں۔

میر عاشق۔ یوں ہی افواہ اُڑ گئی ہو گی۔ انگریز یکایک شہر میں کیونکر داخل ہو سکتے ہیں؟ کل تک تو شہر پناہ کے قریب بھی نہیں آ سکتے تھے .... معلوم ہوتا ہے کہ ......

رشیدہ۔ اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں ہے، کسی نہ کسی طرح انگریز شہر میں داخل ہو گئے۔ خدا خیر کرے۔ عزت و آبرو کا بچانے والا وہی ہے۔

(نرگس باہر جاتی ہے)

میر عاشق۔ بیگم! محسن اب تک نہیں آیا، اب مجھے بھی اس کی طرف سے تردد ہے۔ خدا خیریت کے ساتھ واپس لائے۔

رشیدہ۔ آمین! یا اللہ! تو ہی سب بڑوں چھوٹوں کا محافظ ہے۔

(نرگس پھر داخل ہوتی ہے)

کیوں نرگس! کیا بات ہے؟

نرگس۔ حضور! چھوٹے سرکار تشریف لائے ہیں۔

رشیدہ۔ بلا لو۔ ان سے یہاں پردہ کرنے والا کون ہے؟

(نرگس جاتی ہے تھوڑی سی دیر میں میر ناصر داخل ہوتے ہیں۔ اس عرصہ میں سب خاموش رہتے ہیں۔)

میر ناصر۔ بھائی جان آداب! بھابی جان آداب۔

میر عاشق۔ کیوں بھائی ناصر، شہر کی کیا خبر ہے؟

میر ناصر۔ آپ نے سُنا ہوگا کہ انگریز شہر میں داخل ہو گئے۔

میر عاشق۔ ہاں، لیکن یہ کیا معاملہ ہوا؟ یہ یکایک ....

میر ناصر۔ ہم لوگوں کو اطلاع نہ تھی، بدر دروازہ کے متصل ہی ایک لکڑی کی ٹال تھی۔

میر عاشق۔ ہاں درست ہے، تھی، میں نے بھی دیکھی تھی۔

میر ناصر۔ انگریزوں نے چپکے سے آکر اس میں آگ لگادی اور دھوئیں کی آڑ میں خود آگے بڑھتے چلے آئے۔ اور اس کے پیچھے ہی مورچہ لگا دیا اور سیاہ بُرج پر گولہ باری شروع کر دی .... جب انھوں نے گولہ باری کی تو پوربیوں کو پتہ لگا، لیکن اب کیا کر سکتے تھے۔ ایک ہفتہ کی مسلسل گولہ باری کے بعد بالآخر بُرج منہدم ہو گیا اور انگریز شہر میں داخل ہو گئے اور میر حسن کے کھنڈرات میں کابلی دروازے کے اس جانب توپ خانہ لگا دیا، اس طرف سے بھی فوج مقابل ہوئی جو بیلی وارڈ میں لاہوری دروازہ سے کابلی دروازہ تک پھیل گئی۔ صرف کابلی دروازہ کی نہر دونوں فوجوں کے درمیان رہ گئی وہاں توپوں اور بندوقوں سے لڑائی ہوئی جس کی آواز یہاں تک آرہی تھی، اس میں کالوں کو شکست ہوئی اور انگریزوں کو فتح۔ اس عرصہ میں کشمیری دروازہ سے انگریزی فوج داخل ہو گئی اور پوربیے شہر خالی کر کے بھاگ گئے۔

میر عاشق۔ غرض یہ پوربیے ہمیں لڑا کر خود چلتے بنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب انگریزی فوج کیا کر رہی ہے ؟

میر ناصر۔ رعایا کے گھروں کو لوٹ رہی ہے جہاں چاہتی ہے گھس جاتی ہے اور تباہ کرتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی کے مال و دولت یا جان و مال عزت و آبرو بچنے کا یقین نہیں ہے۔ ایک واقعہ یہ عجیب پیش آیا کہ بعض محلے والے لاٹھیاں وغیرہ لے کر جمع ہو گئے تو انھوں نے گوروں کی ٹولیوں کو بھگا دیا۔ چنانچہ کچھ گوروں نے جامع مسجد میں گھسنا چاہا۔ مگر وہاں کچھ مسلمان ٹھہرے ہوئے تھے انھوں نے سوچا کہ مسجد کی بے حرمتی دیکھنے سے جان دے دینی بہتر ہے۔ چنانچہ وہ مسجد سے باہر نکل آئے اور لڑ کر جان نثار کرنے لگے اور انگریزی فوج کو وہاں سے بھگا دیا۔

میر عاشق۔ انگریزوں کی جمعیت کس قدر ہو گی ؟

میر ناصر۔ سنا ہے کہ جامع مسجد کے سامنے زیادہ نہ تھی، ورنہ مسلح آدمیوں کو بھگانا آسان نہ تھا۔

(محسن داخل ہوتا ہے)

محسن۔ ابّا جان، چچا جان آداب! غضب ہو گیا، شہر میں بے انتہا کشت و خون ہو رہا ہے، شرفا، اور امراء کے مکان لٹ رہے ہیں تمام راستے لاشوں سے پٹے پڑے ہیں اور قیامت برپا ہے۔

میر عاشق۔ ہم یہ حال سن چکے ہیں، تم قلعے سے آرہے ہو، وہاں کی کیا خبر ہے !

محسن۔ ابّا جان! حضرت ظلِ سبحانی سوار ہو گئے اور اپنے خاندان کے شہزادوں

کے ساتھ ہمایوں کے مقبرہ کو روانہ ہو گئے

میر عاشق۔ حضرت ظلِّ سُبحانی روانہ ہو گئے! افسوس! شہر اور رعیت کے سر سے سایہ اُٹھ گیا۔

محسن۔ پوربیوں نے اُن سے کہا کہ یہاں کی لڑائی بگڑ گئی ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ کسی دوسری جگہ چلیں تو ہم آپ کی طرف سے لڑیں گے۔

رشیدہ۔ جہاں پناہ نے کیا فرمایا؟

محسن۔ جہاں پناہ نے فرمایا کہ تم میرے لیے کس دن لڑے تھے۔ تم نے میری مرضی کے خلاف فتنہ و فساد برپا کیا۔.......... تم تو میرے خاندان کو تباہ کرنے آئے تھے، سو کر چکے، اب تم اپنا رستہ لو، میرے لئے جو خدا کا حکم ہو گا اس پر صبر و شکر کے ساتھ قناعت کروں گا۔ غرض جہاں پناہ راضی نہ ہوئے اور ہمایوں کے مقبرہ میں جا کر پناہ گزیں ہو رہے ہیں۔

میر عاشق۔ افسوس! خاندانِ مغلیہ کا چراغ بجھ گیا۔

محسن۔ ابّا جان! اب شہر میں رہنا مناسب نہیں، ملازمانِ شاہی کو چُن چُن کر سزا دی جائے گی۔

میر عاشق۔ کِس بات کی سزا؟ اُنھوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟

میر ناصر۔ بھائی جان! یہ کوئی نہیں پوچھے گا! انگریز، رعیت سے پُورا انتقام لیں گے۔

محسن۔ اس کے علاوہ ابّا جان! اس وقت تمام شہر [illegible] نُٹ رہے ہیں، مال تو خیر جان کی زکوٰۃ ہے، کسی کی جان [illegible] تک محفوظ نہیں [illegible]

نے راستے میں دیکھا کہ ہزاروں شرفاء کے محذرات وہ پردہ نشین بیگمات اور خواتین جو گھر سے باہر نکلنا جانتی ہی نہ تھیں، پیدل بدحواسی کے عالم میں بھاگی جا رہی ہیں - ایسی حالت میں بچنے کی کوئی صورت نکالنی چاہیے -

میر عاشق - افسوس بچنے کی کیا سبیل ہو سکتی ہے - ایسی حالت میں ہم کہاں جائیں ؟ کیا کریں ؟ خدا کے علاوہ پناہ دینے والا کون ہے ؟

میر ناصر - بھائی جان میں جاتا ہوں اپنے گھر کا بھی بندوبست کرنا چاہتا ہوں، میرے یہاں دو بہلیاں ہیں، مستورات کو ان میں سوار کر کے سونی پت پہنچا دینا چاہیے۔ دہلی میں قیام کرنا مناسب نہیں ہے -

میر عاشق - ناصر! دہلی میں ضرور خطرہ ہے، لیکن جب شہر کا یہ عالم ہے تو خدا جانے دیہات کا کیا حال ہوگا؟ پھر راستہ میں بدامنی ہوگی - میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں، گھر چھوڑ کر راستہ میں جان دے دینا کہاں کی عقلمندی ہے -

محسن - ابا جان! گستاخی معاف، دہلی میں اس وقت سلامتی کسی طرح نظر نہیں آتی، ممکن ہے کہ شہر کے باہر امان مل جائے -

رشیدہ - افسوس وطن چھوڑ کر جنگل میں کہاں کہاں مارے پھریں . . . . . .

شبیر - اماں جان! کہاں جانا پڑے گا ؟

رشیدہ - بیٹا کچھ نہیں معلوم؛ خدا جانے پیشانی میں کیا لکھا ہے -

میر عاشق - محسن! دیکھو تم جوان ہو؛ اپنی جان بچا کر نکل جاؤ - شاید خدا تمہیں بچا دے - مستورات میں اتنی طاقت اور ہمت کہاں ہے کہ سفر کی صعوبتیں

برداشت کریں۔ لہٰذا ان کا تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں۔

میر ناصر۔ بھائی جان! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ یہ ضرور درست ہے کہ راستے میں خطرہ ہے لیکن عورتوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے جو کوئی اُن کی جان لے گا۔ شبیر بھی اُن کے ساتھ محفوظ رہے گا۔ لیکن ان کا گھر ٹھہرنا مناسب نہیں! اس وقت شہر میں لڑائی کی آگ لگی ہوئی ہے ایسی حالت میں اُنھیں یہاں رکھنا اچھا نہیں ہے۔ جان و مال کے خطرے کے علاوہ آبرو بھی خطرے میں ہے۔ شہر میں ہر جگہ ناگفتہ بہ حالات پیش آرہے ہیں۔ اس لیے بھلائی اسی میں ہے کہ ان کو شہر کے باہر بھجوا دیا جائے۔ میرے گھر کے سب آدمی جا رہے ہیں ساتھ ہی جانا اچھا ہے۔ محسن تمہاری کیا رائے ہے۔

محسن۔ میرا خیال ہے کہ دہلی سے ضرور نکل جانا چاہیے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے پردہ نشین مستورات کے ساتھ بدسلوکی دیکھی ہے۔ باغیوں نے بعض فرنگیوں کے ساتھ بدسلوکی کی تھی، اب فرنگی اس کا جی بھر کے بدلہ لے رہے ہیں۔ بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ شہر سے بہلیوں میں بھی جانا اچھا نہیں ہے۔ آپ ایسا کیجیے کہ بہلیاں پہلے بھجوا دیجیے۔ تمام مستورات یہاں سے برقع اوڑھ کر پیدل روانہ ہو جائیں۔ شہر کے باہر سوار ہو جائیں۔ شہر سے تو کسی طرح جان بچا کر نکل جانا چاہیے۔

میر ناصر۔ بھائی جان آپ اجازت دیں تو میں بہلیاں یہاں بھجوا دوں۔ محسن کی رائے بہت مناسب ہے۔

میر عاشق۔ اچھا بھائی! تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔

میر ناصر۔ اچھا میں جاتا ہوں۔ بھابی جان آپ جلد سے جلد تیار ہو جائیں۔

رشیدہ۔ تیاری کیا خاک کروں؟ بس بُرقع اوڑھنا ہے۔

میر ناصر۔ اچھا تو اب جاتا ہوں، جس قدر عجلت ہو سکے مناسب ہے۔ یہاں دیر لگانی اچھی نہیں۔

میر عاشق۔ جاؤ فی امان اللہ۔

(میر ناصر جاتے ہیں)

میر عاشق۔ بیگم جاؤ۔ دُلہن اور نرگس سے کہہ دو تیار ہو جائیں، اب پھرتی کرنی چاہیئے۔ دیر کا موقع نہیں ہے۔ جاؤ بسم اللہ کرو۔

(رشیدہ جاتی ہے، شبیر سہم کر محسن کے پاس کھڑا ہو جاتا ہے)

محسن۔ بھائی میری جان! تم ڈرو مت، ہماری جان میں جان ہے تو تمہارا بال بیکا نہ ہونے دیں گے۔ . . . . ابّا جان! آپ تیار ہو جایئے میں جا کر مسلح ہوتا ہوں۔

میر عاشق۔ خبردار ایسا مت کرنا، مسلح ہونا موت کو بلانا ہے۔

محسن۔ لیکن ابّا جان! خدا جانے کیا اُفتاد . . . . . .

میر عاشق۔ دیوانے نہ ہو، ایسے وقت میں اسلحے کام نہیں آتے . . . . . ہاں دیوانخانے میں ایک پستول اور ایک چھوٹا سا خنجر ہے۔ پستول تم رکھ لو اور خنجر لاکر مجھے دے دو، اور میری تلوار بھی لیتے آؤ۔

محسن۔ آپ تلوار کا کیا کریں گے؟

میر عاشق۔ میرا ارادہ جانے کا نہیں ہے۔ میرا جانا مناسب نہیں ہے۔

محسن۔ ابّا جان! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ہم آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔

میر عاشق۔ بیٹا تم یہ نہیں سمجھتے، میں نے دنیا کی تمام راحتیں دیکھ لیں،
اب میری ضعیفی کا زمانہ ہے، وہ دور بھی ختم ہو گیا جس سے ہمارا
تعلق تھا۔ آج سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ زمانہ پرانے
آدمی اور پرانی چیزوں کو بھلا دے گا جس طرح ایک ملک کا آدمی دوسرے
ملک میں اجنبی ہوتا ہے، اسی طرح ایک دور کا آدمی دوسرے دور
میں اجنبی ہوتا ہے۔ زمانے کی تمام چیزیں بدل رہی ہیں، تم اُن
کا لطف اُٹھاؤ۔ مجھے اب ان میں کیا لطف آئے گا میں گھر
چھوڑ کر پردیس میں کیوں ذلت و خواری کے ساتھ مارا مارا پھروں۔
اگر زندگی میں کچھ لطف باقی رہنے کی توقع ہوتی تو ایک بات
بھی تھی۔ پھر میں ضعیف ہوں، اس مسافرت کی صعوبتیں
جس میں کوئی آرام نہیں، جس کی کوئی انتہا نہیں، جس سے
کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، کس سے برداشت ہوں گی۔
اوّل تو زندہ بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اگر زندہ بچ بھی گیا
تو زندگی سے کسی لطف و راحت کی اُمید نہیں۔ ایسی حالت
میں میرا جانا بے سود ہے۔

محسن۔ ابّا جان! آپ اس قدر مایوسی کی باتیں نہ کیجئے، اس سے
ہمارا دل ٹوٹتا ہے، جب تک میری جان میں جان ہے
مجال ہے کوئی آپ کے ساتھ گستاخی کے ساتھ پیش آئے۔
اگر ہم زندہ بچ گئے اور یہ مصیبت ختم ہو گئی تو بڑھاپے میں

جتنی باتیں باعثِ راحت ہوتی ہیں وہ سب آپ کو میسّر ہوں گی، آپ کی اولاد خدمت کے لیے ہو گی، اس کی راحت سے آپ کا جی خوش ہو گا اور آپ کا غم غلط ہو گا۔

میر عاشق۔ بیٹا اس عرصہ میں یہ مسئلہ متواتر میرے پیشِ نظر رہا ہے، آج جو کچھ ہو رہا ہے مجھے معلوم تھا کہ یہی صورت کل پیش آئے گی، اس لیے میں اس پر کافی غور کر چکا ہوں، تم کیوں میرا بڑھاپا . . . . . .

محسن۔ ابّا جان! اگر آپ تشریف نہ لے چلیں گے تو میں بھی نہ جاؤں گا۔ فقط شبّیر اور مستورات کو بھیج دیجیے جو کچھ پیش آئے گا آپ کی معیّت میں برداشت کروں گا۔

میر عاشق۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہ کرو۔ تم اپنی جان بچا کر نکل جاؤ، تاکہ میرے لئے یہ مشکل آسان ہو۔ اگر خدا نے پھر ملا دیا تو خیر ورنہ خدا حافظ۔

محسن۔ ابّا جان! میں نے مدّت العمر میں کبھی حکم عدولی نہیں کی ہے، لیکن اگر آپ یہاں سے تشریف نہ لے گئے تو میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں بھی نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ مجھے یہاں سے کہیں بھیجنا چاہتے ہیں تو آپ بھی ساتھ چلیں۔

(رشیدہ داخل ہوتی ہے)

رشیدہ۔ دلہن اور نرگس، دونوں تیار ہو رہی ہیں، میں بھی تیار ہوں، شبیر

بھی تیار ہوا جاتا ہے۔ (میر عاشق کی طرف دیکھ کر، تم کیوں بیٹھے ہو۔

محسن۔ امّی جان! ابّا جان فرماتے ہیں کہ وہ یہاں سے نہ جائیں گے۔

رشیدہ۔ کیا کہا، نہیں جائیں گے، کیوں؟

میر عاشق۔ میں بڑھاپے میں کہاں مارا مارا پھروں؟ جو خدا دکھائے گا برداشت کروں گا۔

شبیر۔ ابّا جان! آپ نہیں جائیں گے؟

محسن۔ امّی جان! اگر ابّا جان نہیں جائیں گے تو میں بھی نہیں جاؤں گا آپ سب کو چچا جان کے ہاں پہنچا کر میں واپس آجاؤں گا۔

رشیدہ۔ نہیں بیٹا! تمہارے ابّا جان کو جانا پڑے گا..... (میر عاشق کی طرف دیکھ کر) اگر تم نہیں جاؤ گے تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔

میر عاشق۔ افسوس! تم لوگ میرا کہنا نہیں مانتے ...... تم اپنی جان بچا کر نکل جاؤ، عورتوں کی آبرو تک یہاں محفوظ نہیں ہے۔

رشیدہ۔ ہماری جان اور آبرو تمہارے ہاتھ ہے جب ان کو بچانے والا گھر میں بیٹھا رہے گا تو ہم کس ہمّت پر قدم باہر رکھیں؟ اور اگر تمہاری جان خطرہ میں ہے، تو ہم حفاظت کا سامان کیوں کر کرسکتے ہیں؟

میر عاشق۔ سنو محسن! تم میرے خیالات کو نہیں سمجھتے، نہ تمہاری ماں سمجھتی ہیں۔ میں یہ سوچتا تھا کہ تم لوگ میرا کہا مان لوگے، لیکن اب حجّت کا وقت نہیں ہے۔ بہادری کے ساتھ جان دینے میں

نہ کوئی ذلت ہے نہ کوئی مصیبت، اب کچھ عرصہ تک وہ حالت رہے گی کہ جینے والوں سے مرنے والے زیادہ خوش قسمت شمار کیے جائیں گے۔ . . . . . تم جوان ہو اس لیے تمہارا زندہ رہنا بہتر ہے۔ میں ضعیف ہوں، میرے لئے یہاں لڑ کر جان دینی ان مصائب سے بہتر ہے جو آئندہ پیش آئیں گے۔ اب بھی مان جاؤ۔

محسن۔ ابّا جان! یہ نہیں ہو سکتا، میں آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔

میر عاشق (ذرا دیر خاموش رہ کر) اچھا میں چلتا ہوں، لیکن ایک شرط ہے وہ یہ ہے کہ تم اکیلے بریلی کی طرف نکل جاؤ۔ میں شبّیر اور زنانی سواریوں کے ساتھ جاتا ہوں۔

محسن۔ ابّا جان! اکیلے؟

میر عاشق۔ نہیں اکیلے نہیں، ان سب کی معیّت میں اور ناصر کے گھر کے آدمی، خود ناصر اور اُن کے گھر کے آدمی ہوں گے۔

محسن۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟

میر عاشق۔ مصلحت یہ ہے کہ میری دو آنکھیں ہیں، ایک تم، ایک شبّیر، ایسی مصیبت میں دونوں کو ایک جا نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر ایک خطرہ میں ہو تو ایک . . . . !

رشیدہ۔ ہاں سچ ہے بیٹا! دونوں کا ایک ساتھ رہنا ٹھیک نہیں پھر تم جوان ہو، تیز دوڑ سکتے ہو۔ تمہارے ساتھ خطرا گ باندھنا

ٹھیک نہیں۔

محسن۔ لیکن اماں جان! ایسی مصیبت کے زمانے میں میرا فرض ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ رہوں، آپ کی خدمت کروں۔ میں اکیلا جان بچا کر کیا کروں گا؟ میں اپنا دل پتھر کا کیوں کر بناؤں۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ مجھے اپنی جان اس قدر عزیز ہے کہ آپ سب کو چھوڑ کر اُسے بچانے کی سبیل اختیار کروں گا۔

میر عاشق۔ محسن! تم اس معاملہ میں میری نافرمانی نہ کرو...... میرا حکم ماننا تم پر فرض ہے، میں تمہارے کہنے پر گھر سے نکلتا ہوں، تم بھی میرا کہا مانو، یاد رکھو اگر ہم بچ کر نکل گئے تو خیر اور اگر یہ نہ ہو سکا تو تم اکیلے نہیں بچا سکتے۔ اس لیے تم ہمارا خیال نہ کرو۔ عقل سے کام لو۔

رشیدہ۔ اگر تم نے اپنے ابّا جان کا کہا نہ مانا تو میں حشر کے دن دامنگیر ہوں گی۔ میرے لال تو بریلی چلا جا، ہم سونی پت چلے جائیں گے۔ اللہ کو منظور ہے تو پھر کچھ دن کے بعد مل جائیں گے۔

محسن۔ ابّا جان! آپ مجھے مجبور نہ کریں۔

میر عاشق۔ محسن! تمہارے ساتھ ہونے سے ہمارا ابھی نقصان ہے۔ یاد رکھو، تم شاہی ملازم ہو، باغی شمار ہو گے، اس لئے تمہارے گھر والوں سے بھی بدلہ لیا جائے گا۔ اور اگر تم نہ ہو گے تو ہم انتقام سے محفوظ رہیں گے۔ اگر تم ہمارے کہنے سے نہیں جاتے تو اس خیال سے چلے جاؤ۔

محسن۔ ابّا جان! میں اپنی حفاظت کے خیال سے ہر گز نہیں جاتا۔ لیکن سچ ہے کہ میری موجودگی کہیں آپ کے لئے بھی بلائے جان نہ ثابت ہو، اس لیے میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا اور بریلی کی طرف چلا جاؤں گا۔

میر عاشق۔ (رشیدہ سے) تم نے اپنا زیور کیا کیا؟

رشیدہ۔ کپڑوں کی پوٹلی میں باندھ لیا ہے۔

میر عاشق۔ یہ غضب نہ کرو، پوٹلی محفوظ نہیں رہ سکتی۔

رشیدہ۔ پھر کیا کروں؟

میر عاشق۔ اپنا اور دلہن کا زیور لو، اور دو چار اشرفیاں جو پڑی ہوں ان کے کئی حصّے کر لو۔ . . . . اور گیندیں بنا لو، ایک مجھے دے دو ایک شبّیر کو اور ایک محسن کو، باقی جو کچھ ہو اُسے یہیں تہہ خانے میں چھوڑ جاؤ۔

(رشیدہ جاتی ہے)

میر عاشق۔ دیکھو بیٹا! زیور کی گیندیں ہاتھ میں رکھنا جب کسی کو آتا ہوا دیکھو تو اسے جھاڑیوں میں پھینک دینا، جب لٹیرے چلے جائیں تو پھر اُٹھا لینا، اس طرح تمہارے زادِ راہ کا انتظام رہے گا اور تم حفاظت سے پہنچ جاؤ گے، خبردار جب سپاہیوں کو آتا ہوا دیکھو تو اُسے اپنے پاس نہ رکھنا۔ دوسرے سب سے عاجزی سے پیش آنا اور نرمی سے اپنی جان بچانا۔

محسن۔ بہت اچھا!

میر عاشق۔ میں ایک وصیت کرنی چاہتا ہوں، زندگی کا کوئی ٹھیک نہیں ہے، اس وقت کے جدا ہوئے خدا جانے کب ملیں گے۔ یا کبھی ملیں گے بھی یا نہیں ....

محسن۔ ابّا جان! آپ ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ اسی سے ہمارا دل ٹوٹتا ہے۔

میر عاشق۔ نہیں بیٹا! دل ٹوٹنے کی بات نہیں، مجھے گھر کے ساز و سامان، روپے پیسے اور کسی چیز کے مٹنے کا اتنا رنج نہ ہوگا، البتہ میں نے حضرت ظلِ سبحانی کی جو تصویر بنائی ہے وہ میری زندگی کا ما حصل ہے اور میں اسے جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں، میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ محفوظ رہے۔

محسن۔ اسے اپنے ساتھ لے چلیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ محفوظ رہے گی۔

میر عاشق۔ نہیں بیٹا، تم اس تصویر کو اپنے پاس رکھو، یہ میری امانت ہے (تصویر محسن کو دیتے ہوئے)، جہاں تک ممکن ہو اس کی حفاظت کرنا۔

محسن۔ ابّا جان! جب تک میری جان میں جان ہے، میں اس تصویر کو اپنے پاس رکھوں گا اور میری زندگی میں دنیا کی کوئی چیز اُسے مجھ سے علیحدہ نہ کر سکے گی۔

(محسن تصویر کو بستہ سے نکالتا ہے اور اُسے دو دبیز کاغذوں کے درمیان رکھ کر اپنے سینے سے باندھتا ہے)

محسن۔ اب یہ میری جان کے ساتھ ہے۔

(رشیدہ اور شبیر داخل ہوتے ہیں)

رشیدہ۔ لو یہ تین گیندیں بنا لیں۔ اس میں جو کچھ آ سکتا تھا باندھ لیا، باقی

یہیں چھوڑ دیا۔

ممبر عاشق۔ اچھی بات ہے، ذرا میں دیوان خانے میں جاتا ہوں، ابھی آتا ہوں۔ . . . .

رشیدہ۔ شبیر بیٹا تم آؤ، دیکھوں، نرگس تیار ہوئی یا نہیں؟

شبیر۔ امی جان! میں بھائی کے پاس ہوں، آپ ہو آیئے۔

رشیدہ۔ نہیں بیٹا! میرے ساتھ آؤ، دیکھوں، تمہاری کوئی اور چیز تو ساتھ لینے کے قابل نہیں ہے۔

شبیر۔ بہت اچھا امی جان! آپ فرماتی ہیں تو آتا ہوں۔

(دونوں جاتے ہیں)

(ایک دو لمحہ کے بعد زاہدہ داخل ہوتی ہے)

محسن۔ (آگے بڑھتا ہے) آؤ بیگم۔

زاہدہ۔ (ٹکٹکی باندھے ہوئے اسے دیکھتی رہتی ہے، کچھ کہنا چاہتی ہے۔ لیکن کچھ نہیں کہہ سکتی)

محسن۔ قسمت میں یہی لکھا تھا، میں ابّا جان کے کہنے سے مجبور ہوں، ورنہ تمہیں چھوڑ کر نہ جاتا۔

زاہدہ۔ نہیں آپ جایئے، خدا آپ کو محفوظ رکھے، خدا آپ کی زندگی بچا دے۔

محسن۔ بیگم تم اس قدر ہراس کی باتیں نہ کرو۔

زاہدہ۔ میں ہراس کی باتیں نہیں کرتی . . . . . کیا قسمت کی خوبی ہے

دیکھو، میرے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ بھی پھیکا نہیں پڑا۔

محسن۔ لیکن یہ مصیبت چند روزہ ہے، یہ جدائی چند دن کی ہے تم افسردہ خاطر نہ ہو۔

زاہدہ۔ مجھے تمہارا فکر ہے خدا تمہاری جان بچا دے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابا جان کا خیال درست ہے، یہی اچھا ہے کہ تم اکیلے جاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری بھی یہی خوشی ہے کہ تمہاری جان بچ جائے۔

محسن۔ تم ایسی مایوسی کی باتیں نہ کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا نے چاہا تو پھر ملیں گے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

زاہدہ۔ ہاں خدا کے اختیار میں ہر چیز ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر بات ہے ۔ ۔ ۔ ۔ خدا تمہیں زندہ واپس لائے اور اگر میری قسمت میں تم سے ملنا لکھا ہو تو وہ آبرو کی حفاظت کرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اگر اُسے زندہ رکھنا منظور ہے تو وہ تم سے سُرخروئی کے ساتھ ملائے، اور اگر یہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

محسن۔ تم ایسے وسواس دل میں نہ لاؤ، دہلی کی شہر پناہ سے نکلتے ہی تم محفوظ ہو گی۔ یہ فتنہ و فساد تھوڑے ہی دن کا ہے۔ اس کے فرو ہونے کے بعد دنیا کے کارخانے پھر یوں ہی چلیں گے۔ یہ مصائب قصہ کہانی بن جائیں گے۔

زاہدہ۔ اچھا اب اجازت دیجئے، دیر نہ لگانی چاہیے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(آگے بڑھ کر اُسے گلے لگاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تھوڑی دیر وہ یوں ہی کھڑے رہتے ہیں، پھر محسن اپنی طبیعت پر جبر کر کے زاہدہ سے الگ ہو جاتا ہے

اور بھرائی ہوئی آواز میں کہتا ہے)

محسن ۔ خدا حافظ! خدا حافظ!

زاہدہ ۔ (آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں) خدا حافظ! رونے لگتی ہے، خدا حافظ اس دن کی کسے خبر تھی۔

محسن ۔ (آگے بڑھ کر) خدا کے لیے بیگم! اس درجہ مایوس نہ ہو، ذرا ہمّت باندھو، خدا نے چاہا تو پھر عیش و خوشی کے دن نصیب ہوں گے۔

زاہدہ ۔ اچھا خدا حافظ، (دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھتی ہے) خدا حافظ!

(زاہدہ دو لمحے تک اس کی طرف دیکھتی رہتی ہے پھر چلی جاتی ہے محسن اس کی طرف دیکھتا رہتا ہے)

(نرگس اور رشیدہ داخل ہوتی ہیں)

محسن ۔ امّی جان تیار ہو گئیں؟

رشیدہ ۔ ہاں نرگس بھی تیار ہے۔

(شبّیر داخل ہوتا ہے)

شبّیر ۔ بھائی جان!

محسن ۔ شبّیر! ابّا جان کو بلا لاؤ۔

(شبیر جاتا ہے)

رشیدہ ۔ بیٹا محسن! آج تم مجھ سے جدا ہو رہے ہو، اگر اللہ نے زندگی

رکھی تو تمہارا مکھڑا بھر دیکھنے کو مِل جائے گا ...... میرا بڑھاپا ہے۔ خدا جانے یہ آنکھیں اور کیا کیا دیکھیں گی ..... اللہ کاش ایسا کرے کہ عزّت و آبرو کے ساتھ اٹھالے اور کوئی رنج نہ دکھائے۔

محسن۔ امّی جان! آپ ناحق گھبراتی ہیں، اللہ نے چاہا تو یہ فتنہ و فساد دو دن میں رفع ہو جائے گا اور ہم سب پھر یکجا ہوں گے۔

رشیدہ۔ میرے چاند! میں نے تمہیں کِن کِن مصیبتوں سے پال کر اتنا بڑا کیا تھا، اللہ نے یہ دن دکھایا کہ تمہاری شادی ہوئی، تم نوکر ہوئے یا آج ایسی ناگہانی نے آ دبایا کہ کل کا حال معلوم نہیں، خیر بیٹا تم کو اللہ زندہ اور خوش و خرم رکھے۔ ہماری کیا ہے؟ ہم نے دنیا اچھی طرح دیکھ لی، سارا سُکھ چین اٹھا لیا، ایک یہ تمنّا تھی کہ تمہاری اولاد کو گود میں کھلاتی ...... بس یہی ایک تمنّا باقی رہ گئی ہے ......

محسن۔ امّاں جان! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، آپ کو چاہیے کہ میری ہمّت بندھائیں، ایسی باتوں سے میرا کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔

رشیدہ۔ بیٹا! تم نہیں جانتے، ماں کی مامتا کا تمہیں کیا حال معلوم؟ تمہیں جدا کر رہی ہوں لیکن میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔

(شبیر اور میر عاشق داخل ہوتے ہیں)

میر عاشق۔ سب تیار ہو گئے؟

محسن۔ (آنکھوں سے آنسو پونچھ کر) ہاں سب تیار ہو گئے۔ بس اب چلنا چاہیے۔

میر عاشق۔ ہاں میری بھی یہی رائے ہے۔ لیکن ایسے فتنہ و فساد میں سے بہلی کیوں کر جائے گی؟

محسن۔ چچا جان نے بہلیاں خالی بھجوا دی ہوں گی، اُن سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ بہلیوں کے روکنے سے کسی کو کیا حاصل ہو گا۔

میر عاشق۔ بالفرض بہلیاں پہنچ بھی گئیں، تو ان سب کو شہر کے باہر نکالنا کیا آسان ہے؟

محسن۔ ایک ذرا سا ٹکڑا چاوڑی بازار کا ایسا ہے جہاں کچھ اندیشہ ہے۔ اس کے بعد ابھی ترکمان دروازہ تک امن و اماں ہے اس لیے عجلت کرنی چاہیے۔

میر عاشق۔ اچھا بیٹا تم چلے جاؤ ہم بعد میں آئیں گے۔

محسن۔ لیکن پہلے یہ معلوم ہو جائے کہ بہلیاں پہنچ گئیں یا نہیں؟

(ایک طرف سے میر ناصر کی آواز آتی ہے) بھائی جان!

میر عاشق۔ دیکھو ناصر آ گئے، اطلاع کرنے آئے ہوں گے کہ بہلیاں پہنچ گئیں۔

ناصر آؤ چلے آؤ۔

(میر ناصر داخل ہوتے ہیں)

میر ناصر۔ بھائی جان! بہلیاں شہر کے دروازے سے نکل کر دروازے

سے کچھ فاصلے پر منتظر ہیں، اب دیر کا موقع نہیں ہے۔ میرے
یہاں کی سب سواریاں تیار ہیں۔ جلدی چلیے۔

میر عاشق۔ اچھا! تم چلو، میں تیار ہوں۔

میر ناصر۔ بہت اچھا۔

(جاتے ہیں)

میر عاشق۔ اچھا بیٹا محسن! خدا حافظ!

محسن۔ ابّا جان دروازہ تک میں ساتھ چلتا ہوں۔

میر عاشق۔ نہیں تم اکیلے ہی جاؤ، مجھے تمہارا ساتھ جانا پسند نہیں۔

محسن۔ لیکن وہاں تک کیا حرج ہے؟

میر عاشق۔ میں حرج سمجھتا ہوں، تم اکیلے ہی جاؤ، مجھے اس پر اصرار ہے۔

محسن۔ بہت اچھا۔ آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا...... اب نہ بحث
کا موقع ہے نہ میں نافرمانی کر سکتا ہوں...... آگے بڑھنا
ہے، اب میں اجازت چاہتا ہوں ...... افسوس ہے کہ
میں آپ کے حکم سے مجبور ہوں، اور آپ کی خدمت سے دارین
میں سرخروئی نہیں حاصل کر سکتا ..... مجھ سے بہت سے
قصور سرزد ہوئے ہیں، بہت سے معاملات میں نافرمانی کی ہے
.... (ہاتھ جوڑ کر) اپنے تمام قصوروں کی معافی چاہتا
ہوں خدا نے قدم بوسی کی سعادت نصیب کی تو پھر.....

(میر عاشق آبدیدہ ہو جاتے ہیں، محسن کو اپنی طرف کھینچ کر اسے

سینے سے لگا لیتے ہیں)

میر عاشق۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) بیٹا تمہاری سعادت مندی سے میرا دل ہمیشہ خوش رہا ہے، یہ اللہ کی بڑی رحمت تھی کہ اس نے مجھے تم جیسا بیٹا دیا۔ میں تم سے خوش ہوں، اللہ تمہیں خوش و خرم رکھے، اور اس قیامتِ صغرا میں بال بیکا نہ ہونے دے۔ جاؤ بیٹا اللہ کی عنایت تمہارے شامل حال ہو اور تم نے میرا دل جس طرح خوش رکھا ہے اس کا اجر تمہیں ملے۔

محسن۔ (ماں کی طرف متوجہ ہو کر) اماں جان! اجازت ہے؟ میرے قصور معاف کر دیجیے اور اب . . . .

رشیدہ۔ (آگے بڑھ کر بلائیں لیتی ہے) میرے چاند! تجھ سے میری دنیا روشن تھی اور اب آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے، دنیا تاریک ہے۔ خدا جس طرح تیری پیٹھ دکھاتا ہے، اُسی طرح منہ دکھائے۔

میر عاشق۔ یہ موقع ایسا ہے کہ کل کا کسی کو حال معلوم نہیں . . . . اس لیے تم محسن کا دودھ بخش دو۔

رشیدہ۔ اے کاش میں یہ کام اپنے آخری وقت کرتی . . . . . . لیکن ہاں سچ کہتے ہو . . . . . . بیٹا محسن! میں دودھ بخشتی ہوں، اللہ بھی بخشے!

میر عاشق۔ دلہن سے کہہ دو کہ وہ مہر بخش دے۔

رشیدہ۔ اس کا دل ٹوٹ جائے گا، ویسے ہی رو رو کر اپنا بُرا حال

کر لیا ہے۔

میر عاشق۔ لیکن یہ شریعت کا معاملہ ہے، اس میں دیر نہ کرنی چاہیے۔
نرگس! اب شرم کا کیا وقت ہے؟ دلہن کو بلا لو!

(نرگس جاتی ہے)

محسن۔ (شبیر کی طرف متوجہ ہو کر) شبیر بھائی تم اداس نہ ہو (شبیر کو پیار کرتا ہے)، دیکھو تو میری جان، مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے بعد ہم پھر ملیں گے۔

(شبیر سے ضبط نہیں ہوتا، وہ رونے لگتا ہے)

محسن۔ (شبیر کے آنسو پونچھ کر) نہیں بھائی رو مت، واہ مرد ہو کر روتے ہو۔ لڑکیاں رویا کرتی ہیں۔ اور اس میں رونے کی کیا بات ہے۔

(زاہدہ داخل ہوتی ہے۔ نرگس پیچھے پیچھے ہے)

(زاہدہ برقع اوڑھے ہے، آ کر خاموش کھڑی ہو جاتی ہے)

رشیدہ۔ بیٹی یہ زمانہ نازک ہے، خدا جانے کل کیا پیش آئے۔ تم محسن کے مہر بخش دو۔

(زاہدہ خاموش رہتی ہے ...... برقع کے اندر ایک حرکت سی ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رو رہی ہے)

رشیدہ۔ نہیں بیٹی میں واری جاؤں، اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے، یہ شریعت کا معاملہ ہے۔ الہی نہ ہو کہ کسی پر بوجھ رہے۔ تم معاف

کرتی ہو ؟

زاہدہ ۔ (ذرا دیر توقف کے بعد بہت آہستہ سے) جی ہاں ۔

میر عاشق ۔ اچھا بیٹا محسن ! تم چلو ، فی امان اللہ ۔

(محسن سب پر ایک حسرت بھری نظر ڈال کر)

محسن ۔ اچھا آبا جان ! خدا حافظ ، اماں جان ! خدا حافظ ! شبیر خدا حافظ ۔

(سب باری باری خدا حافظ کہتے ہیں محسن جاتا ہے)

میر عاشق ۔ اچھا چلو بہت دیر ہو گئی ، نرگس تو آگے آگے چل ۔

(آگے آگے نرگس جاتی ہے ، پھر زاہدہ ، شبیر اس کے بعد بیگم اور میر عاشق ۔ جب یہ جاتے ہوتے ہیں تو پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

تیسری مجلس

(وقت سہ پہر چار بجے)

دوسری مجلس کے بعد کئی مہینے گزر چکے ہیں۔ وہی مکان ہے جو پہلی دو مجلسوں میں تھا لیکن اب وہ صفائی نہیں ہے۔ چاندنی غائب ہے۔ اس کی جگہ ایک طرف چارپائی بچھی ہے۔ ایک طرف ایک حقّہ رکھا ہے۔ دو چار مونڈھے پڑے ہیں۔ میز فرش ادھر ادھر پڑے ہیں۔ غرض مکان کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انقلاب کا مزا اچھی طرح چکھا ہے۔ دیوانخانے کی طرف سے دو شخص داخل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک محسن ہے۔ اس کے لباس سے افلاس و نکبت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اس نے کر سستے کپڑے کا ہے، لیکن صاف ضرور ہے۔ اس کے چہرے سے تردد ٹپکتا ہے۔ دوسرے شخص کی بھی ایسی ہی حالت معلوم ہوتی ہے لیکن وہ محسن سے کم متردد ہے۔

محسن۔ ہاں بھائی عباس! تم خوب مل گئے۔ میں جس دن سے دہلی آیا

ہوں تمہیں تلاش کرنا تھا اور تم ہی نہ ملتے تھے۔

عباس۔ ہاں مجھے بھی تم سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ اس زمانے میں جو بچھڑا مل جائے غنیمت ہے، افسوس کیسے کیسے گھر برباد ہو گئے۔

محسن۔ بربادی؟ افسوس زمانے نے وہ دکھایا ہے جس کے تصوّر سے دل لرزتا ہے، اور ابھی تک اس سلسلہ کا خاتمہ نہیں ہوا ہے، اب بھی گرفتاریاں جاری ہیں اور بادشاہِ وقت کا انتقام ختم نہیں ہوا ہے۔

عباس۔ دہلی کے تمام شرفا برباد ہو گئے۔ سب گھر لٹ گئے، بہت سے مارے گئے۔ جو بچ گئے وہ مُردوں سے بدتر ہیں، زندہ ہیں مگر ایسی زندگی پر لعنت ہے۔

محسن۔ میں شہر میں جس دن سے آیا ہوں ایک لمحہ کو جی نہیں لگتا۔ اپنے جاننے والوں میں سے کوئی نظر نہیں آتا۔ ملازمانِ شاہی تمام تتّر بتّر ہو گئے۔ دلّی وطن ضرور ہے لیکن پردیس سے بڑھ کر ہے۔ آج تم ملے ہو، یہی سوچتا ہوں کہ تم مصائب سے بچے رہے ہو گے، اس لیے کہ تمہارا قلعہ معلی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن تمہاری داستان بھی اس درجہ دردانگیز ہے۔ کوئی ایسا نظر نہیں آتا جسے زمانے نے نہ ستایا ہو۔ وہ جو اس سانحے سے پہلے مر چکے تھے کتنے خوش قسمت تھے۔

عباس۔ محسن! تم نے کچھ اپنی سرگذشت نہ سنائی۔ یہاں سے بچ کر کیونکر نکلے؟ کہاں کہاں مارے مارے پھرے؟ قسمت نے کیا کیا دکھایا؟ گھر خالی کیوں ہے؟

محسن۔ کیا سناؤں؟ جب انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوا، اور شہر میں
لوٹ مار شروع ہوئی تو ہم سب نکل کھڑے ہوئے۔ والد صاحب
سواریوں کو لے کر سونی پت چلے گئے اور مجھے باصرار بریلی
کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اُن کے حکم سے مجبور ہو کر اس طرف
کی راہ لی۔ اس دن سے مارا مارا پھر تا رہا۔ بالآخر یہاں پہنچا تو
گھر والوں کی کوئی خبر نہیں، خدا جانے کس حال میں ہیں۔ کہاں ہیں؟
زندہ بھی ہیں یا نہیں؟

عباس۔ خدا خیریت کے ساتھ اُنھیں واپس لائے۔ اس کی ذات سے
اُمید ہے۔ مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

محسن۔ بے شک مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ان آنکھوں نے
وہ وہ واردداتیں دیکھی ہیں کہ اب امید مشکل سے بندھتی ہے۔
بہر حال اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں ہے۔

عباس۔ تمہارے والد کو بریلی کا خیال کیسے آیا؟

محسن۔ اس لیے کہ وہاں میرے ایک رشتہ دار رہتے تھے۔ اس کے
علاوہ وہاں اب تک انگریزی فوج کا قبضہ نہ ہوا تھا اور حفاظت
کی کچھ امید تھی۔ انھوں نے فرما دیا اور میں نے ارادہ بھی
کر لیا لیکن تکمیل اس ارادے کی بہت دشوار تھی، اس لیے
کہ مجھے نہ راستہ معلوم تھا، نہ راستہ محفوظ تھا۔ نہ ایسے
بے سروسامانی کے سفر کی تاب و طاقت تھی، ہر منزل پر نئی اُفتاد

پیش آتی تھی، اور ہر وقت جان کا خطرہ رہتا تھا۔ یوں جان بچا کر
نکل جانا آسان نہ تھا اور پھر زمانہ اس قدر نازک کہ دوست
و دشمن میں تمیز مشکل سے ہو سکتی تھی۔

عباس۔ ہاں درست ہے، میرے لیے بھی اس قسم کی مصیبتیں سدِ راہ
تھیں۔

محسن۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے، کپڑے پھٹ گئے تھے، کھانے پینے کا
کچھ انتظام نہ تھا کہیں چنا چبینا مِل گیا تو کھا لیا ورنہ بھوکے ہی پڑ رہے۔
ہر دن پہاڑ معلوم ہوتا تھا، صبح سے شام چلنے میں بسر ہوتی تھی۔ رات
کو سونے کا ٹھکانا مِلنا دشوار تھا۔ لیکن یہ خیریت ہوئی کہ کپڑے
میلے ہو گئے تھے اور پھٹ بھی گئے تھے۔ ورنہ میں نے خود
دیکھا کہ دیہاتیوں نے کسی سفید پوش کو نہ چھوڑا۔ پہلے
مارتے تھے، بعد میں بات کرتے تھے اور اُن کے پاس
جو کچھ بھی ہوتا رکھوا لیتے تھے۔ اس کے بعد فقط بھیک
پر بسر ہوتی تھی۔ اگر کسی کو ترس آگیا تو کچھ دے دیتا
ورنہ بھوک سے آنتیں قل ہو اللہ پڑھتی رہتیں۔

عباس۔ افسوس!

محسن۔ الغرض ان مصیبتوں کے بعد جن کی تفصیل بڑا طولِ عمل ہے
بریلی پہنچ گیا اور وہاں میر ذہین مرثیہ گو کے ہاں قیام کیا اور اللہ
کا شکر ادا کیا کہ ایک مرتبہ پھر آرام نصیب ہوا، مگر قسمت کا حال

کیسے معلوم تھا کہ ابھی چین ملنا دشوار ہے۔

عباس۔ اس کے بعد بھی کچھ سانحہ پیش آیا؟

محسن۔ سانحہ! کیا پوچھتے ہو؟ ایک دن میں اور دہلی کے ایک شخص جنگ باز خاں نامی ایک جفت فروش کی دکان پر گئے۔ گفتگو کے سلسلہ میں اُسے معلوم ہو گیا کہ میں دہلی کا رہنے والا ہوں۔ اس نے لعن طعن سے کام لیا اور کہا کہ دہلی والے بڑے بزدل ہیں جنہوں نے دہلی کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ جنگ باز خاں کو غصہ آ گیا، اس نے کہا کہ جب تمہارے چچا یہاں پہنچیں گے تو تم بھی مُنہ چھپاتے پھرو گے۔ یہ سن کر جفت فروش نے ہم دونوں کو پکڑ لیا اور شور مچا دیا۔ مخبر انگریزی مخبر! بس یہ فقرے ہمارے لیے سمِ قاتل ہو گئے۔ پوربیوں نے ہمیں پکڑ لیا اور اپنے جنرل کے پاس لے گئے اور پیش کر دیا۔ اُس نے نہ پوچھا نہ گچھا ہمیں توپ کے منہ سے بندھوا دیا۔ ہم یہ سمجھے کہ اب موت نے آ گھیرا۔ لیکن خدا بڑا مسبب الاسباب ہے۔ وہ جسے بچانا چاہتا ہے اس کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

عباس۔ کیا ہوا، نجات . . . . . . ؟

محسن۔ کیوں کر ملی؟ نواب خان بہادر خاں کے حکم کی دیر تھی کہ اتفاق سے ایک شخص گھوڑے پر سوار آیا، اس کی سب نے تعظیم کی۔ اس نے جنگ باز خاں کو دیکھا تو کہا، تم کہاں؟ جنگ باز خاں نے میری طرف اشارہ کیا کہ میرا حال کیا پوچھتے ہو۔ ان کو تو دیکھو۔ مجھے دیکھ کر وہ

نو وارد بیتاب ہو گیا اور جا کر جرنیل کو بہت سخت سست کہا،
یہ نو وارد ہمارا خواجہ تاش، میر فتح علی داروغہ کہاران شاہی تھا۔
جس نے ہماری جان بچائی۔ اس دن سے ہم نے سوچا کہ
بریلی میں بھی عافیت نہیں ہے اس لیے کہ انگریزی فوج مورچہ
باندھ رہی تھی۔ اور ہم میر ذہین سے رخصت ہو کر رام پور
کی طرف نکل گئے اور ہزاروں خرابیوں اور دشواریوں کے
بعد وہاں پہنچے جو بذات خود ایک داستان ہے۔ اس لیے کہ
رام پور میں نو واردوں کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ وہاں ایک دوست
نے نواب صاحب کے توسّل سے انگریزی علاقے میں واپسی کی
اجازت دے دی، اب یہاں آیا ہوں تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ایک آواز آتی ہے، میر محسن! میر محسن! میر محسن!)
اندر تشریف لے آیئے، مردانہ ہے۔

(مہدی جو عباس و محسن کا ہم عمر ہے داخل ہوتا ہے، چہرہ پر حزن و
ملال کے آثار پائے جاتے ہیں)

محسن۔ مہدی السلام علیکم! مزاج اچھی طرح ہے!

مہدی۔ وعلیکم السّلام، خدا کا شکر ہے، اس زمانے میں جو انسان کو
مصیبت پیش نہ آئے وہی موقع شکر گزاری کا ہے۔ تمہارا مزاج
تو بخیر ہے۔

محسن۔ بخیر ہے، زندہ ہوں، تم سب کی صورت اللہ نے دکھا دی

غنیمت ہے۔

مہدی۔ میں تم سے ایک عرصہ سے ملنا چاہتا تھا، لیکن مکان کا حال دیکھ کر چلا جاتا تھا۔ آج محلّے کے ایک شخص سے معلوم ہوا کہ تم آ گئے ہو تو چلا آیا۔

محسن۔ یہ تمہاری مہربانی ہے۔ اس تنہائی کے زمانے میں کسی ہمدم کا مل جانا نعمت غیر مترقبہ ہے اور پھر دنیا میں محبت کا چلن دیکھ کر امید بندھتی ہے۔ مہدی تم غدر کے زمانے میں کہاں رہے۔

مہدی۔ میں سونی پت چلا گیا تھا۔

محسن۔ (اُچھل پڑتا ہے) سونی پت! سونی پت! تمہیں میرے گھر والوں کا کچھ علم ہے؟ میں عرصہ سے تلاش میں تھا کہ کوئی سونی پت والا ملے تو خبر پوچھوں!

مہدی۔ بھائی میں بھی اس لیے ملنا چاہتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (خاموش ہو جاتا ہے)

محسن۔ مہدی! بولو، بولو، جلدی بولو، کیا خبر ہے خاموش کیوں ہو؟ میرے والد صاحب بتاؤ زندہ ہیں؟ میری والدہ؟ میرا بھائی؟ میری بیوی؟ خدا کے لیے بتاؤ کہ اُن کا کیا حال ہے۔ ورنہ میں دیوانہ ہو جاؤں گا۔

مہدی۔ بھائی میں کیا بتاؤں؟ مجھے معلوم نہیں!

محسن۔ پھر تم کیا خبر سنانی چاہتے تھے؟ اگر تمہیں معلوم نہیں تو .....
بولو، مہدی! اب مجھ میں ضبط کا یارا نہیں ہے، جلدی بتاؤ
زمانے نے ہر مصیبت برداشت کرنے کے لیے تیار کر دیا ہے۔
مہدی۔ میں تمہیں سارا واقعہ سنائے دیتا ہوں ....
دو حرف میں ختم ہو جائے گا، میں نے تمہارے گھر والوں
کو دہلی سے روانہ ہوتے وقت دیکھا تھا۔ ہم پیچھے پیچھے تھے،
لیکن تقریباً تین میل کا فاصلہ تھا۔ دوسری منزل کا واقعہ
ہے کہ جب ہم وہاں پہنچے تو ....
محسن۔ بتاؤ کیا ہوا؟
مہدی۔ وہ دوسری منزل تک نہیں پہنچے۔ معلوم نہیں انھیں کیا
ہوا؟
عباس۔ ابھی زندگی کی اُمید ہے، ممکن ہے راستہ بدل دیا ہو۔
مہدی۔ میں کیا امید دلاؤں؟ راستے میں ہم نے ایک بہلی اُلٹی ہوئی دیکھی تھی،
معلوم ہوتا تھا کہ ڈاکوؤں نے اُسے خوب لوٹا ہے۔ اور قریب ہی ایک مرد
کی لاش پڑی دیکھی تھی ...... منزل پر ایسے لوگ ملے جنھوں نے
لاش کو شناخت کیا، وہ تمہارے والد کی لاش تھی ......
(محسن اُٹھ کر بے تابی سے ٹہلنے لگتا ہے .....)
محسن۔ والد! والد! آہ! یہ قسمت میں لکھا تھا۔ حیف صد حیف
میں کیوں نہ ساتھ ہوا ....

سچ فرماتے تھے کہ، میں غریب الوطن بن کر جان کیوں دوں؟

مہدی۔ لیکن یہ سُن کر تمھیں شاید کچھ تسکین ہو کہ صرف انھیں کی لاش تھی۔ ایک ڈاکو کی لاش کے علاوہ اور کوئی لاش نہ تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید عورتوں اور بچّے کی جان بچ گئی ہو۔

محسن۔ جان بچ گئی ہو، ہاں شاید بچ گئی ہو۔ . . . . . . لیکن خدا جانے کس حال میں ہیں، کس مصیبت میں گرفتار ہیں، زندہ بھی ہیں یا نہیں . . . . . افسوس خدا جانے وہ کیسی منحوس گھڑی تھی۔

مہدی۔ اللہ کا کم از کم یہ شکر ادا کرو کہ تمھارے والد کو درجۂ شہادت نصیب ہوا۔ ان کے ہاتھ میں خنجر خون آلود تھا۔ اور گولی سینے میں لگی تھی بہادری کے ساتھ جان دی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا . . . . ؟

محسن۔ سچ ہے تمام عمر ریاضت و عبادت میں گزاری۔ تقویٰ آخری دم تک قایم رہا۔ اس سے بڑھ کر ایسی زندگی کا خاتمہ ممکن نہ تھا، مگر افسوس . . . . میرے سر سے سایہ اُٹھ گیا۔ میں ان کا ماتم نہیں کرتا۔ . . . . لیکن ہائے میں یہ جُدائی کیونکر برداشت کروں . . . . . . اور پھر میری والدہ اور میری بیوی، ہائے وہ مخدّرات جو . . . . گھر سے باہر پاؤں رکھنا بھی نہیں جانتی تھیں، ہائے ان کا حال کیا ہوا ہوگا۔ . . . . . . خدا جانے کس حال میں ہوں گی۔ . . . . . . افسوس

ہیں دل کو کیا سوچ کر تسلّی دوں .... کاش
مجھے معلوم ہوتا تو دِلّی واپس نہ آتا، شبیر! شبیر! میری جان
میرا بھائی تو کس حال میں ہے؟

عباس۔ محسن! خدا کے لیے صبر کرو، اللہ نے جس طرح تمہاری جان
بچائی۔ انھیں بھی بچانے والا ہے اور پھر جو کچھ بھی قسمت میں لکھا ہو۔
...... جو آج تم پر گزری ہے، دلّی کا وہ کون سا خاندان
ہے جس پر اسی طرح کی واردات نہیں گزری .... وہ
کون سا گھرانا ہے جس میں صفِ ماتم نہیں بچھی، اور اب تک
کسی کی زندگی محفوظ نہیں۔ انگریزی حکومت کے کارکن گھروں سے
نکال نکال کر لے جاتے ہیں اور محلّوں کے درختوں پر ٹانگ دیتے ہیں۔
...... یہ انصاف ہے کہ مخبر نے جس کی طرف اشارہ کر دیا
وہ پھانسی کا مستحق ہو گیا۔ اس قیامتِ صغریٰ میں کوئی کِس کِس چیز
کا ماتم کرے .... غور کرو کہ اہلِ بیت پر کربلا میں کیا کیا نہ
گزری لیکن انھوں نے صبر کیا .... تم بھی اولادِ رسولؐ
ہو، اُن کی پیروی کرو .... مسلمان ہو اللہ کی مرضی
پر صابر و شاکر رہو، وہ تمہاری بھلائی تم سے بہتر جانتا ہے ....
.... ایمان والے ہو، اللہ کی مرضی میں چون و چرا
نہ کرو ایمان کی سب سے بڑی برکت یہی ہے
کہ مصیبت کے وقت انسان میں قوتِ صبر پیدا کرتا ہے۔

محسن۔ (بے چارگی کے ساتھ) سچ ہے بھائی، اللہ کے حکم سے سرتابی کی مجال کسے ہو سکتی ہے؟ میری کمزوری تھی کہ یہ حال . . . . .

مہدی۔ اس سے آگے کچھ کہنا تمہارے زخموں پر نمک چھڑکنا ہے . . . . دیکھو حضرت ظلِّ سبحانی کو کیا پیش آیا جوان شہزادوں کو انگریزی فوج نے بے قصور بغیر تحقیقات گولی سے اُڑا دیا۔ شاہی خاندان جلا وطن ہو گیا۔ خود بادشاہ پر مقدمہ چل رہا ہے . . . . یہ ہے انقلابِ زمانہ! یہ ہے گردشِ روزگار! وہ جس کا مرتبہ یہ تھا کہ دنیا کی داد رسی کرتا خود ان کے سامنے جو اُن کے عامل تھے، آج مجرم کی حیثیت سے پیش ہوتا ہے۔ اس انقلاب نے کسی کے دل میں ٹھکانا نہ چھوڑا۔

محسن۔ ہاں سچ ہے، میری مصیبت تو کچھ بھی نہیں، لیکن اپنے دل پر جو تیر لگا ہے اس کا زخم بہت گہرا نظر آتا ہے۔

(اتنے میں دروازہ کھلتا ہے اور ایک طرف سے شبیر دوڑتا ہوا داخل ہوتا ہے اور آ کر محسن سے لپٹ جاتا ہے)

شبیر۔ بھائی جان!

(محسن اُسے اٹھا کر گلے سے لگا لیتا ہے اور دیر تک پیار کرتا رہتا ہے)

محسن۔ بھائی شبّیر! اللہ کا شکر ہے، تم کہاں؟ اللہ کا شکر ہے
اس نے ملا دیا۔
(اسی اثناء میں نرگس خاموشی کے ساتھ داخل ہوتی ہے اور
ایک طرف کھڑی ہو جاتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے چہرے
سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں اس نے بڑے مصائب
برداشت کیے ہیں)
محسن۔ تم اکیلے آئے ہو؟ امّاں جان کہاں ہیں اور سب کہاں
ہیں؟
(شبّیر کا چہرہ فوراً بدلتا ہے، خوشی کی جگہ اس کے چہرے پر
حزن و ملال کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ محسن جو اس کے
چہرے کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا، اُسے گود سے اُتار
دیتا ہے، اور مڑ کر دیکھتا ہے تو نرگس نظر آتی ہے۔ فوراً
اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے)
محسن۔ نرگس! میں نے آتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ ۔ ۔ ۔ اور
سب کہاں ہیں؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم خاموش کیوں ہو؟
مُنہ سے بولو کچھ کہو؟ کیا پیش آیا؟
(نرگس جو اب تک خاموش تھی رونے لگتی ہے اُسے دیکھ کر شبیر

روتے لگتا ہے)

محسن۔ بولو، رونا چھوڑو۔ میں بُری سے بُری خبر سننے کے لیے تیار ہوں۔

(عباس شبیر کو گود میں اُٹھا لیتا ہے، اس کے آنسو پونچھتا ہے...)

محسن۔ نرگس! نرگس! خدا کے لیے بتا کہ کیا پیش آیا؟

نرگس۔ (بڑی کوشش کے ساتھ ضبط کرتی ہے) میاں! کیا کہوں اللہ نے آپ کی صورت دکھادی، اب تو آپ کے سوا ہمارا ٹھکانا نہیں رہا . . . . ہائے گھر کو دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ کیسا بھرا گھر چھوڑ کر گئی تھی . . . . اب یہی گھر کھانے کو دوڑتا ہے . . . . خیر اب دونوں کا دم سلامت ہے تو اللہ اسے پھر بھر دے گا۔

محسن۔ تو آخر کچھ تو بتا کہ کیا پیش آیا؟

نرگس۔ میاں! یہاں سے جس حال میں چلے تھے اس کا تو حال آپ کو معلوم ہے . . . . . . دو بہلیاں تھیں، ایک میں چھوٹے سرکار کے گھر والے سوار تھے، ایک میں ہم سب تھے . . . . . . ہماری بہلی تیز تھی؛ پہلے تو ہم بھی دوسری بہلی کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے رہے، پھر جب چھوٹے

سرکار نے بہت اصرار کیا تو ہماری بہلی آگے نکل گئی ....
. . . . ظہر اور عصر کے بیچ کا وقت تھا کہ سرکار نے
دیکھا کہ کچھ لوگ ہماری طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں .....
پہلے تو سرکار سمجھے کہ راہ گیر ہوں گے، لیکن وہ سیدھے
ہماری بہلی کی طرف ہی بڑھنے لگے تو سرکار نے اُنھیں ڈانٹا
انھوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور بہلی والے سے کہا "بہلی روک
لے" اتنی دیر میں وہ بالکل قریب آ گئے۔ سرکار نے تلوار
نکال لی اور مقابلہ کرنے لگے۔ انھوں نے لاٹھیوں سے
مارنا شروع کیا، سرکار نے کئی کو تلوار سے گھائل کیا اور ایک
تو وہیں مر گیا اور جیسا مجھے بعد میں معلوم ہوا ایک تھوڑی
دیر کے بعد مر گیا۔ اُن کے پاؤں اُکھڑنے لگے کہ ایک ٹولی
اور آ گئی اور اس نے آتے ہی سرکار کے سینے پر گولی مار دی۔
. . . . . سرکار کے سینہ پر گولی لگی اور سرکار
شہید ہو گئے۔

محسن۔ افسوس تم لوگوں کے ساتھ .....

نرگس۔ بہلی والا بھاگ گیا، ان لوگوں نے پہلے تو بہلیوں کو کھول
لیا اور پھر ہم سب کو ہاتھ پکڑ کر کے باہر کھینچا اور ہمارے

پاس جو تھا رکھوا لیا۔

محسن۔ اس کے بعد؟

نرگس۔ میاں! کیا کہوں، ہم سب رو رہے تھے، انھیں فاصلہ پر دوسری بہلی آتی ہوئی نظر آئی اس لیے انھوں نے مار مار کر ہمیں جنگل کی طرف بھگانا شروع کیا، اوپر آسمان تھا جو تانبے کی طرح تپ رہا تھا۔ نیچے گرم ریت تھی جو بھٹی کی طرح گرم تھی، ہمیں چلنے کی عادت نہ تھی۔ پیاس سے حلق سوکھ گیا تھا۔ . . . بڑی بیگم شبیر میاں کو گود میں لیے ہوئے تھیں . . . . . جب وہ تھک گئیں گر پڑیں تو ایک گنوار نے ان کے لاٹھی مار دی اور وہ اس کی تاب نہ لا سکیں اور وہیں جان نکل گئی۔

محسن۔ ہائے امّی جان! قسمت میں یہ لکھا تھا! افسوس! صد افسوس!

نرگس۔ جب ان گنواروں نے دیکھا کہ ہم بے بس ہیں تو انھوں نے ایک کو تو وہاں چھوڑ دیا اور کہا کہ ان کو گاؤں لے چلو اور باقی پھر لوٹ مار کے لیے واپس چلے گئے، اس نے چاہا کہ بڑی بیگم صاحبہ کی لاش کی تلاشی لے، چھوٹی بیگم صاحبہ نے کہا کہ ہمارے جیتے جی یہ نہ ہو سکے گا۔ جب حجّت ہوئی تو انہوں نے بڑی بیگم صاحبہ کی لاش کو اپنے جسم سے ڈھانپ لیا . . . . . . اس گنوار نے ان کے

بھی لاٹھی ماری لیکن وہ نہ ہٹیں اس پر اس نے دو تین لاٹھیاں اور ماریں اور ان کا کام بھی تمام ہو گیا۔

محسن۔ اللہ تیرا ہزار شکر ہے کہ تو نے اُن کی عزّت و آبرو بچائی۔

نرگس۔ یہ تمام ماجرا شبیر میاں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور وہ ایسے سہم گئے کہ میں کیا بیان کروں میں نے انھیں اس وقت اپنے کلیجہ سے لگا لیا اور سوچا کہ انھی کی جان کا سہارا ہے .... میں انھیں گود میں لیے کھڑی دیکھتی رہی۔ اس گنوار نے دونوں بیگموں کے پاس جو کچھ تھا وہ ہتھیا لیا اور پھر مجھے جانور کی طرح ہانکنا شروع کیا ..... شبیر میاں میری گود میں، پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے راستے میں کانٹوں اور گوکھروؤں کی بھرمار، اس موذی نے اتنی بھی فرصت نہ دی کہ ذرا پاؤں کا کانٹا نکال لیتی۔ ...... غرض اسی حال میں وہ مجھے گاؤں تک لے گیا اور اپنے گھر لے جا کر مجھ سے کہا کہ کپڑے بدل ڈال اور مجھے گنواریوں کے کپڑے پہنا دیے، جن میں سے ایسی بُو آتی تھی کہ میرا دماغ پھٹا جاتا تھا .... شبیر میاں کو بھی اس نے دھوتی بندھوا دی ....

شبیر۔ بھائی جان! ان موٹے کپڑوں میں اس قدر گرمی لگی اور ان میں سے ایسی بُو آتی تھی کہ میں پریشان تھا۔

نرگس۔ اس حال میں خدا نے بچانے کی یہ صورت کر دی ......
اس گاؤں کے مالک ایک سید ہیں وہ اتفاق سے گاؤں میں آئے
ہوئے تھے اُنھیں کسی طرح پتہ چل گیا..... انہوں نے اگر ہمیں
بچایا اور راتوں رات بہلی میں اپنے گھر بھجوا دیا.........
ان کے گھر والوں نے بڑی انسانیت سے برتاؤ کیا، اور ہماری
ہر طرح خاطر و مدارات کی۔

محسن۔ خدا ان کا بھلا کرے .... اور نرگس تو نے
میرے بھائی کی جان بچائی ہے اور مصیبت میں آڑے آئی ہے....

نرگس۔ میاں! یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ سارا جسم اس گھر کے نمک کا بنا ہوا
ہے اور پھر آپ لوگوں کے کام نہ آ سکوں تو میری زندگی پر لعنت
ہے .... میاں اللہ ہی میں یہ قدرت
تھی کہ آپ کی صورت دکھا دی اور شبیر میاں کو بچا دیا.......
ہم کم بخت کا کیا تھا اگر بڑی بیگم سے پہلے جان نکل جاتی تو یہ سب
داغ کیوں اُٹھاتی۔

محسن۔ پھر تو یہاں کیسے پہنچی؟

نرگس۔ جب ذرا امن ہوا تو ان کے یہاں سے کچھ لوگ دلی آ رہے تھے۔
میں بھی اُن ہی کے ساتھ آ گئی کہ ذرا گھر آ کر تو دیکھ لوں کہ یہاں اللہ نے

آپ کی صورت دکھا دی۔

محسن۔ اچھا تو پھر جا کر اپنا سامان لے آ۔

نرگس۔ میاں میرے پاس سامان کہاں سے آیا، انھی کے دیے ہوئے کپڑے لیتے ہیں، البتہ جا کر انھیں اطلاع دے دوں۔

محسن۔ مناسب ہے! یا ٹھہر جا، پتہ بتا دے ہم ہی اطلاع کیے دیتے ہیں۔

نرگس۔ میاں اگر اجازت ہو تو میں ہی ذرا ہو آؤں، میرے اوپر ان کا بڑا احسان ہے کہ جا کر مِل آؤں، یہی اچھا ہے۔

محسن۔ میں بھی ساتھ چلوں کہ ان کا شکریہ ادا کروں۔

شبّیر۔ بھائی جان! آپ کل چلیے گا، میں بہت تھک گیا ہوں۔

محسن۔ اچھی بات ہے میری جان! کل ہی چلیں گے۔ اچھا نرگس تم ہی ہو آؤ۔

نرگس۔ جی اچھا۔

(جاتی ہے)

شبّیر۔ بھائی جان! آپ کو چچا جان کا کچھ حال معلوم ہے؟ وہ آ گئے؟

محسن۔ نہیں یہاں تو پہنچے نہیں۔

مہدی۔ مجھے اُن کا حال معلوم ہے۔

محسن۔ بتاؤ خیریت سے ہیں ؟ کہاں ہیں ؟
مہدی۔ افسوس! وہ اہل وعیال کے ساتھ سونی پت پہنچ گئے تھے۔ بھائی کی موت کا سخت صدمہ تھا اور تمہاری والدہ اور اہلیہ وغیرہ کی طرف سے بہت پریشان تھے۔ ایک انگریز مخبر نے ان کا نام لے دیا اور اُنھیں پھانسی دے دی گئی۔
محسن۔ ان بے چارے نے کسی کا کیا بگاڑا تھا ؟
عباس۔ اس زمانے میں قصور اور بے قصور کی تمیز اُٹھ گئی ہے۔
مہدی۔ ان کے اہل وعیال سونی پت میں پریشانی کی حالت میں ہیں اور ان کی کفالت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔
محسن۔ میں ہی جاکر اُنھیں لے آؤں گا۔
عباس۔ ہاں یہی مناسب ہے، اچھا ہم رخصت ہوتے ہیں۔
مہدی۔ میں بھی جاتا ہوں، افسوس کہ تم نے اتنی بُری خبریں سُنی ہیں کہ زبان میں اظہارِ ہمدردی کا یارا نہیں۔
محسن۔ خیر جو کچھ بھی اللہ کو منظور تھا ہوا، اس میں چون وچرا کی کیا گنجائش ہے ؟ اس کا شکر ہے کہ اس نے میرے بھائی کو مجھ تک پہنچا دیا۔ ...... اب پھر زندگی میں ایک مقصد پیدا ہو گیا۔
عباس۔ اچھا بھائی خدا حافظ۔

مہدی۔ السلام علیکم۔

محسن۔ وعلیکم السلام! خدا حافظ!

(عباس اور مہدی رخصت ہوتے ہیں...... محسن پہلے اُن کی طرف دیکھتا رہتا ہے...... پھر شبیر کو اُٹھاکر گلے سے لگا لیتا ہے)

محسن - میری جان! میرے بھائی! خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمھیں پھر ملا دیا اب تم کو ہرگز جدا نہ کروں گا...... زندگی میں ایک مقصد پیدا ہو گیا۔

(شبیر گلے میں باہیں ڈال دیتا ہے)

شبیر۔ بھائی! بھائی جان! میرے بھائی جان!

(پردہ گرتا ہے)

چوتھی مجلس

(وقت آٹھ بجے شب)

(ویسا ہی دالان ہے جیسا پہلی مجلس میں تھا، اسی طرح آراستہ البتہ قالین نہیں ہے لیکن یہ دیوان خانے کا دالان ہے، اس لیے اس میں دریچی اور دیوانخانے کا رُخ بدلا ہوا ہے، حقّہ بھرا ہوا رکھا ہے، گلوریاں بنی ہوئی رکھی ہیں، البتہ پنکھا نہیں ہے، اس لیے کہ جاڑے کا موسم ہے۔ جب پردہ اٹھتا ہے تو محسن، عباس اور مہدی بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔)

مہدی۔ ہائے ہائے، وہ صحبتیں اب کہاں؟ ایسا وقت کبھی کبھی شہر پر نہ گزرا ہوگا، پہلے لکھنؤ ویران ہوا، اب دلّی تباہ ہوئی۔

عباس۔ آپ نے سنا ہوگا کہ اُستاد کا بیشتر کلام ضائع ہو گیا۔

محسن۔ کیا کیا جواہر ریزے تھے، اب طبیعت میں وہ اُمنگ کہاں؟ وہ شاہی

دربار کی ہمت افزائیاں کہاں میسر ہو سکتی ہیں کہ وہ پھر آب دار شعر کہہ سکیں۔

مہدی۔ بھائی بات تو یہ ہے کہ اہلِ کمال اوّل تو اکثر موت کے گھاٹ اُترے۔ دو چار جو بچ بچا بھی گئے اُن کی کوئی قدر نہیں کرتا۔

عباس۔ قدر کون کرے، کس میں مقدور ہے؟ سب روٹیوں کے محتاج ہو گئے۔ یہ چیزیں حاکمِ وقت کی فیاضی سے چلتی ہیں، وہ غیر ملک کے لوگ، غیر مذہب غیر زبان، اُنھیں کیا پڑی ہے کہ ان چیزوں سے دلچسپی لیں۔

مہدی۔ وہ تو اپنے علم و ہنر کے سامنے کسی کو گردانتے ہی نہیں، ہماری اچھی سے اچھی چیز کو ناکارہ سمجھتے ہیں۔

محسن۔ ہاں حکومت کا نشہ چیز ہی ایسی ہے، جو قوم حاکم ہوتی ہے وہ اپنی ہر چیز کو افضل سمجھتی ہے، اگر انگریز ایسا کرتے ہیں تو کیا تعجب ہے۔

مہدی۔ جب کسی قوم کو اس کی بداعمالیوں کی سزا ملنی ہے تو خدا اُسے دوسری قوم کا محکوم بنا دیتا ہے، محکوم ہونا بھی قہرِ الٰہی ہے۔

عباس۔ ہائے ہائے گردشِ روزگار بھی کیا چیز ہے، ایک زمانہ تھا جب ہم بھی سریر آرائے سلطنت تھے۔ ہماری فوجوں کو شکست کا نام تک نہ آتا تھا۔ ہر طرف دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک یہ دن ہے کہ پیٹ بھر کر روٹی کھانے کو نہیں ملتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا ہوا کسی نے روکھی سوکھی کھا کر اپنا پیٹ بھر لیا،

یوں تو جانور بھی زندہ رہتے ہیں۔

مہدی۔ یہ زندگی جانوروں کی زندگی سے بدتر ہے، انھیں اپنی بے چارگی کا احساس نہیں ہوتا، ان کے لیے ماضی، حال، مستقبل سب یکساں ہے۔ انھیں گزشتہ جاہ و جلال کی یاد تو نہیں ستاتی۔ انھیں اپنا حال دیکھ کر رونا تو نہیں آتا، انھیں اپنے مستقبل کی تاریکی سو ہانِ روح تو نہیں ہوتی۔

محسن۔ دیکھو کیا حالت ہو گئی! شہر میں شاذ و نادر اور کوئی ایسا شخص رہ گیا ہے جس سے واقفیت نکلے . . . . دہلی علم و فن، تہذیب و تمدّن کا مرکز تھا، یا آج یہ حالت ہو گئی۔

عباس۔ اور یہ زمانہ اگرچہ بہت بُرا ہے، لیکن پھر بھی بہت غنیمت ہے، جو اہلِ کمال مرتا ہے اس کی جگہ خالی ہو جاتی ہے، دوسرا ویسا پیدا نہیں ہوتا . . . . اور نہ اس زمانے میں پیدا ہو سکتا ہے۔

محسن۔ ہاں، درست ہے، کیونکر پیدا ہو سکتا ہے، کمال بڑی محنت و مشقت کے بعد پیدا ہوتا ہے، بڑی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب اہلِ کمال کو سب دیکھتے ہیں کہ تنگے بھوکے پھرتے ہیں اور زمانہ اُن کا دشمن ہے تو طبیعت اس طرف کیا خاک راغب ہو۔

عباس۔ ہاں نہیں ہو سکتی! سُنا ہے کہ بعض رجواڑوں میں اب تک کچھ قدر باقی

ہے، اور بچے کھچے لوگ اسی طرف کھنچ رہے ہیں۔

محسن۔ لیکن کتنے ؟ اور رجواڑوں اور ریاستوں میں یہ بات پیدا ہی نہیں ہوسکتی، اُن کے ذرائع محدود، پھر رئیس ایسے صاحبِ ذوق کہاں ہیں کہ کھرے کھوٹے کو پرکھ سکیں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ شاہانِ تیموریہ اور خاندان اودھ کے اوصاف کسی رئیس میں پیدا ہونے آسان نہیں ہیں۔

(دستک کی آواز آتی ہے)

کون صاحب ہیں ؟ اُٹھ کر خود باہر جاتا ہے، تھوڑی دیر میں واپس آتا ہے، آگے آگے مرزا طاہر ہیں جو اُن لوگوں کے ہم عمر ہی معلوم ہوتے ہیں۔

مرزا طاہر۔ آداب عرض۔

عباس۔ آداب عرض۔

مہدی۔ آداب عرض۔

مرزا طاہر۔ الحمدللہ! آپ کا مزاج بخیر؟

عباس۔ جی ہاں، اللہ کا شکر ہے۔

مہدی۔ الحمدللہ! تشریف رکھیے۔

مرزا طاہر۔ جناب تشریف رکھیں۔

(تھوڑی سی دیر کے تکلف کے بعد سب بیٹھ جاتے ہیں)

(محسن سے مخاطب ہوکر) ملاقات کو ایک عرصہ گذر گیا، دہلی آیا تو تمہارے

مرزا طاہر۔ متعلق لوگوں سے حال دریافت کیا، اس قدر افسوس ہوا کہ بیان سے باہر ہے

...... سخت مصائب کا سامنا ہوا۔

محسن۔ اللہ کو جو کچھ منظور تھا۔ اس میں کسی کا کیا دخل ہے؟

مرزا طاہر۔ خدا کے کارخانے سمجھ میں نہیں آتے، شہر کو دیکھتا ہوں تو پہچاننے میں نہیں آتا، اللہ اکبر، کیا انقلاب ہوا، کیا سے کیا ہو گیا، ایک گھرانا ایسا نہیں جس میں صفِ ماتم نہ بچھی ہو۔

عباس۔ حضرات! ہر طرح تباہ ہوئے، آدمی قتل ہوئے، گھر لٹے، جائدادیں ضبط ہوئیں .... معاش کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔

مہدی۔ ایسے ایسے لوگ جن کے دسترخوان کی وسعت ضرب المثل تھی۔ وہ نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے۔

محسن۔ اور پھر مشکل یہ کہ آئندہ کوئی راہ کھلتی ہوئی نظر نہیں آتی .... شہر کی حالت ناگفتہ بہ ہے، کیا کریں؟ محنت مزدوری ممکن نہیں، گداگری نہیں کرسکتے ...... کوئی سبیل نظر نہیں آتی، حاکمِ وقت کی نظر میں مقہور.....

..... خدا جانے اسے کیا منظور ہے!

مہدی۔ عزت و آبرو بچانی محال ہے..... بے معاش کے شرافت نبھانی

دشوار ہے، کچھ لوگ رجواڑوں میں چلے گئے، کچھ جا رہے ہیں۔۔۔۔
لیکن وہاں بھی کھپت کیوں کر ممکن ہے؟ جو ریاستیں معتوب تھیں وہ ضبط ہو گئیں، جو انگریزوں کی طرفدار ہیں، وہ دلّی والوں کو اپنے یہاں رکھتے ڈرتے ہیں۔ غرض، ع

زمیں تنگ اور آسماں دوُر ہے

طاہر۔ جی ہاں، بجا ارشاد ہوا۔۔۔۔۔۔ ایسی نکبت کا زمانہ کبھی نہیں دیکھا۔ سمجھ میں مشکل سے آتا ہے کہ کیا حشر ہوگا۔۔۔۔ خصوصاً جب ہماری قوم میں اس قدر قدامت پسندی ہے کہ ہر نئی چیز کو بُرا سمجھتے ہیں، زمانہ کی حالت بدل گئی، اگر زمانے کے ساتھ ہم نہ بدلے تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔۔۔۔۔۔ اس طرح ماتم کرنے سے کچھ حاصل نہیں، کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔

مہدی۔ تدبیر کیا ہو سکتی ہے؟ اس بیچارگی کی حالت میں کیا کر سکتے ہیں؟ اب ہم لوگوں میں کہاں سکت ہے کہ ہم کچھ کر سکیں؟

طاہر۔ آپ نے سیّد احمد کا نام سُنا ہے؟ آپ ہی کے شہر کے رہنے والے ہیں۔

عباس۔ جی ہاں! انگریزی ملازم ہیں، سنا ہے بڑا رسوخ رکھتے ہیں اس لیے کہ غدر کے زمانے میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔

مہدی۔ جی ہاں! ساتھ بھی کیسا دیا تھا؟ اب تک دے رہے ہیں۔ سُنا ہے کہ وہ اسلام سے منحرف ہو گئے اور کرسٹان بن گئے۔ اس وجہ سے اُن کی اس قدر چلتی ہے ..... نعوذ باللہ! ایسا رسوخ کس کام کا کہ آدمی دنیا کے لیے اپنی عاقبت بگاڑ لے۔

طاہر۔ نعوذ باللہ! آپ کیا فرما رہے ہیں، سیّد احمد اور کرسٹان ہو جائیں؟ وہ تو بہت اسلام دوست آدمی ہیں، اُن کے دل میں اسلام کا اس قدر درد ہے کہ مشکل سے کسی کے دل میں ہو گا؟

مہدی۔ قبلہ کیا فرماتے ہیں؟ اگر اسی کا نام اسلام دوستی ہے تو اُسے دور ہی سے سلام ہے!

طاہر۔ کیوں انھوں نے ایسی کیا حرکت کی کہ آپ اس قدر بدگمان ہیں۔

مہدی۔ حرکت! وہ مسلمانوں کو انگریزی پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں... ایسی تعلیم کے طرف دار ہیں جو سراسر بے دینی پر قائم ہے۔

طاہر۔ یہ آپ کی خام خیالی ہے۔

مہدی۔ تو کیا وہ انگریزی تعلیم کے حامی نہیں ہیں؟

طاہر۔ جی ہاں ہیں اور نہایت شدّت سے، لیکن اس میں بے دینی کی کیا بات ہے؟ کسی زبان کے سیکھنے پر دین اور کفر کا دارومدار نہیں ہے۔

عباس۔ جی ہاں، یہ تو بجا ارشاد ہوا، لیکن وہ تعلیم جو مذہب سے بالکل بے علاقہ ہو، بے دینی کی جڑ ہے۔ جن کتابوں میں خدا کے نام کی جگہ کُتے، بلّی اور چوہے کا ذکر ہو، اس سے بچّوں میں مذہبی احساس کیوں کر پیدا ہوگا؟

طاہر۔ اس کا تو یہ علاج ممکن ہے کہ بچّوں کو ساتھ ساتھ دینیات کی بھی تعلیم دلائی جائے، یہ کیا دشوار ہے؟

مہدی۔
ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں
یہ پیوند بہت انمل اور بے جوڑ رہے گا۔

طاہر۔ آخر کیوں؟

عباس۔ اس لیے کہ تعلیم محض کتابیں پڑھا دینے اور زبان سکھا دینے کا نام نہیں ہے، بلکہ دماغ پر اثر ڈالنے کو کہتے ہیں، اس لیے ضرورت ہے ماحول کی۔ جب بچے اپنے اساتذہ میں تقدس اور مذہب نہیں دیکھیں گے تو وہ خود بھی قبول نہیں کریں گے۔ اور جو اُن کے اُستاد کی روش ہوگی وہی آہستہ آہستہ اُن کی ہو جائے گی۔

طاہر۔ یہ آپ کا خیال ہے اس لیے کہ جب عربوں نے علوم و فنون کا

ذخیرہ جمع کیا تو کیا اُنھوں نے اسلام چھوڑ دیا؟

مہدی۔ نہیں، لیکن وہ حاکم تھے، حاکم کا لوگوں پر بہت اثر پڑتا ہے۔
اب تو ہمارے اُستاد ہی ہمارے حاکم بھی ہوں گے، پھر ہمارے
شعار و طریقہ کا خدا حافظ ہے۔

طاہر۔ کیا حضرت رسول اللہ صلعم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ علم مومن کی میراث
ہے اسے جہاں بھی ملے حاصل کرے، انگریزوں کی قوت و ترقی کا سبب
علوم و فنون میں ہے، اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی ان علوم
کو سیکھنا چاہیے جو اُن کی ترقی کا سبب ہیں۔

عباس۔ سنا ہے کہ سید احمد خاں کے عقائد میں بھی فرق ہے۔ وہ نیچری ہے۔

طاہر۔ آپ ان کے عقائد کا نام کچھ بھی رکھ دیں، لیکن اُن کے عقائد اسلام
کے خلاف نہیں ہیں۔ اُن کا وہی مشرب ہے جو متکلمین کا رہا ہے۔

مہدی۔ آپ ان کے بہت معتقد معلوم ہوتے ہیں۔

طاہر۔ جی ہاں .... سنیے ابھی یہ ذکر ہو رہا تھا کہ ہمیں ترقی
کرنا تو درکنار، زندہ رہنے کی بھی کوئی سبیل نظر نہیں آتی ....
کیا ایسی حالت میں دین کو قائم رکھنا ممکن ہوگا؟ کیا ساری قوم
کے بھوکے مرنے سے اسلام کی حفاظت ہو سکتی ہے؟ کیا افلاس
اور تنگ دستی مذہبی زندگی کے معین و مددگار رہیں؟

مہدی۔ دنیوی جاہ و جلال اور دولت و فراخدستی ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ ہم اپنے شعار، اپنی روایات، اپنے آئین اور اپنے مذہب کو اس پر قربان کر دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آخر غیرت و حمیت بھی کوئی چیز ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں دنیاوی امور میں شکست ہو گئی ہے تو کیا ہم دماغی اور دینی امور میں بھی شکست مان کر اپنی ہستی کو ختم کر لیں ؟ کیا ہماری تہذیب اور ہمارے مذہب، ہمارے علوم اور ہمارے فنون سب اس قابل ہیں کہ ہم ان کو چھوڑ دیں ؟ اور اغیار کا طریقہ اختیار کر لیں ؟ اگر ہمیں ان چیزوں کو چھوڑ کر روٹی مل سکتی ہے تو تُف ہے اس روٹی پر، بھوکا مرنا اس سے بدرجہا بہتر ہے۔

طاہر۔ میرا مفہوم یہ نہیں تھا کہ ہم اپنے طریقے کو چھوڑ دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سیّد احمد یہ چاہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی حالت دنیوی طریقے سے درست کریں تاکہ دین کی حفاظت کر سکیں۔

(شبیر ایک خاصدان میں پانوں کی گلوریاں لے کر داخل ہوتا ہے۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ سب کو آداب عرض کرتا ہے)

طاہر۔ (ذرا کھینچ کر جس طرح بچّوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں)
آداب عرض!
(شبیر خاصدان کو جاکر قرینہ سے رکھ دیتا ہے اور واپس جانے
لگتا ہے)
طاہر۔ صاحبزادے یہاں آؤ۔
(شبیر اُن کے پاس جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ طاہر اسے
گود میں بٹھا لیتے ہیں۔)
طاہر۔ (محسن کی طرف متوجہ ہو کر) آپ کی تعریف؟
محسن۔ میرا چھوٹا بھائی ہے، بس ایک یہ اور ماما ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہی
خاندان بھر میں بچے ہیں۔
طاہر۔ آپ نے ان کی تعلیم کا کیا انتظام کیا؟
محسن۔ کیا انتظام کروں؟ ارادہ ہے کہ محلہ کی مسجد میں کبھی بھیجنا شروع
کر دوں۔
طاہر۔ اس کے بعد؟
محسن۔ وہی رسمی تعلیم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مصوّری تو خاندان سے گئی۔
میں نے سیکھی نہیں اور انھیں سکھانی فضول ہے۔ اس لئے کہ اب
کون قدردان رہا ہے؟ اور سکھانے والا بھی میسّر نہیں۔

طاہر۔ ہاں اس زمانے میں سکھانے والا کہاں سے آیا؟ آپ کے
والد ماجد کی بہت شہرت تھی۔

مہدی۔ حضرت صاحب کمال تھے، اب ایسے کاہے کو پیدا ہوں گے۔ وہ
تصویر بناتے تھے کہ جان ڈالنے کی دیر رہ جاتی تھی۔ صاحبِ عالم بہادر
کی تصویر کی تو شہر بھر میں شہرت تھی۔ غالباً وہی اُن کی آخری تصویر تھی،
خدا جانے اب کہاں ہوگی! تباہی سے بچی یا نہیں؟

محسن۔ جی نہیں، آخری تصویر انھوں نے اور بنائی تھی وہ حضرت ظلِ سبحانی
کی شبیہِ مبارک تھی . . . . افسوس کہ اس کے
پیش کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

مہدی۔ وہ تصویر بچ سکی؟

محسن۔ جی ہاں! وہ اُنھوں نے دہلی سے روانہ ہوتے وقت مجھے دی تھی اور
حفاظت کی انتہائی تاکید فرمادی تھی . . . .
میں نے تمام مصائب میں اُسے حرزِ جان بنایا اور خدا کے فضل سے
وہ اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔

طاہر۔ اگر کہیں اوپر ہو تو ہمیں بھی زیارت کرا دیجیے۔

مہدی۔ اگر تکلف نہ ہو۔

محسن۔ جی نہیں! اس میں تکلف کی کیا بات ہے؟

(جاتا ہے)

طاہر۔ (شبیر سے) آپ کا کیا نام ہے؟

شبیر۔ اس خاکسار کو شبیر کہتے ہیں۔

مہدی۔ میاں شبیر!

شبیر۔ ارشاد۔

مہدی۔ آپ کی ٹوپی بہت اچھی ہے۔

(شبیر مسکرا کر خاموش رہتا ہے۔)

مہدی۔ میری ٹوپی سے بدل لیجیے .... کہیے منظور ہے؟

شبیر۔ میری ٹوپی ویسے ہی حاضر ہے، لیکن آپ کے چھوٹی ہوگی۔

(سب ہنس دیتے ہیں)

طاہر۔ ماشاءاللہ کیسا معقول جواب دیا ہے؟

عباس۔ بچّہ ذہین ہے۔

طاہر۔ اس کی تعلیم کا اچھا انتظام ہونا چاہیے۔ ایسے ذہین بچّے کی تعلیم کا اگر اچھا انتظام نہ ہوا تو یہ ذہانت بے کار جائے گی۔

مہدی۔ تعلیم سے آپ کی مراد اسی انگریزی تعلیم سے ہوگی۔

طاہر۔ جی ہاں، اور کون سی تعلیم ممکن ہے۔

مہدی۔ آپ پر سیّد احمد نے بڑا جادو کیا ہے ....

ان کے خیالات کی تائید و اشاعت کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔

طاہر۔ جی ہاں، اس لیے کہ مجھے اس کے علاوہ کوئی مفر نظر نہیں آتا۔

مہدی۔ میں تو آپ کے مفر کو بھی مفر نہیں سمجھتا۔

(محسن داخل ہوتا ہے، ہاتھ میں تصویر ہے)

لیجیے، محسن صاحب تصویر لے آئے۔

محسن۔ (آکر بیٹھ جاتا ہے، تصویر طاہر کو دیتا ہے) لیجیے یہ تصویر ہے۔

(طاہر، مہدی اور عباس دیکھتے ہیں)۔

طاہر۔ واللہ کیسی اچھی تصویر ہے ..... عینا حضرت ظلِّ سبحانی ....
خدوخال، رنگ، نوک پلک، پشش، کسی چیز میں سرِ مو فرق نہیں۔
واقعی معلوم ہوتا ہے بولے اُٹھتے ہیں ..... چہرے سے
وہی بزرگی ٹپکتی ہے جو حضرت کا خاصہ تھی۔

عباس۔ ہائے ہائے کسے معلوم تھا کہ زمانہ ایسی بزرگ ہستی کو یوں ستائے گا۔

مہدی۔ بے گناہ، بے قصور، افسوس! صد افسوس!! اب وہ دور کیا واپس آئے گا۔

طاہر۔ بھائی محسن! اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو ایک بات کہوں۔
محسن۔ تمہاری بات ناگوار ہو سکتی ہے؟
طاہر۔ محض ہمدردی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔
محسن۔ یا اللہ اس قدر تکلف کیوں ہے؟ کہو بھائی!
طاہر۔ میں یہ کہنا تھا کہ زمانہ نازک ہے ...... ایسے زمانے میں
تم کو روپے کی کچھ ضرورت ہو گی ...... دربارِ جے پور
میں اب بھی ان چیزوں کی کچھ قدر باقی ہے ...... اگر تم اس
تصویر کو مہاراجا صاحب کی خدمت میں پیش کرو تو ممکن ہے ایسا انعام
واکرام مل جائے جو آگے کچھ عرصہ تک عسرت کا علاج ثابت ہو سکے اور
شاید دربار میں کوئی صورت اور بھی پیدا ہو جائے۔
محسن۔ بھائی یہ درست ہے لیکن یہ میرے والد کی نشانی ہے انھوں نے
امانت کے طور پر مجھے مرحمت فرمائی تھی، میں جدا نہیں کر سکتا۔ مجھے
بھوکا مرنا منظور ہے، لیکن اسے جدا کرنا منظور نہیں۔
شبیر۔ نہیں بھائی جان! یہ تصویر آپ کسی کو نہ دیجیے گا۔
محسن۔ نہیں بھائی ...... میں بھلا دے سکتا ہوں؟
طاہر۔ اچھا تم نے شبیر کی تعلیم کے متعلق کیا سوچا ہے؟
محسن۔ کیا کہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟

طاہر۔ میری رائے یہ ہے کہ اسے انگریزی پڑھاؤ۔

محسن۔ فائدہ ؟

طاہر۔ ورنہ یہ کیا کریں گے ؟ پرانی تعلیم دینے سے کیا حاصل ؟

محسن۔ لیکن ان کے مذہبی عقائد کیونکر درست رہیں گے ؟

طاہر۔ سید احمد ایک مدرسہ قایم کر رہے ہیں جس میں دینیات کی تعلیم بھی دی جائے گی مشرقی علوم بھی پڑھائیں گے اور انگریزی بھی پڑھائی جائے گی۔ اکثر اساتذہ مسلمان ہوں گے۔ اس لیے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہے۔

مہدی۔ مجھے تو یہ طریقہ خطرے سے خالی نہیں نظر آتا۔

طاہر۔ یہ بھی تو سوچیے کہ اگر انھیں اس قسم کی تعلیم نہیں دی گئی تو کیا کریں گے۔ آج تو بڑی سعی و سفارش سے کسی ریاست میں بھی پرانے تعلیم یافتہ لوگوں کو جگہ مل جاتی ہے، کل وہاں بھی نہ ملے گی۔

محسن۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے، لیکن میرا دل یہ کہتا ہے کہ یہ نئے تعلیم یافتہ مذہب اور تہذیب کو کھو بیٹھیں گے۔

طاہر۔ یہ محض خیال ہے۔ جب ان بچوں کو اسلامی ماحول میں تعلیم دی جائے گی تو پھر کوئی سبب نہیں کہ یہ بے دین ہو جائیں۔

محسن۔ ہاں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ محض زبان کی تبدیلی یا جدید علوم کو سیکھنا مذہب کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ سب میں

بڑی چیز وہ ماحول ہے جو بچّوں کے لیے مہیا کیا جائے گا، اگر وہ مناسب ہوا تو پھر کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

طاہر۔ اس کا میں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا انتظام ضرور کیا جائے گا۔

مہدی۔ یہ کیوں کر ممکن ہے؟ مسلمان اساتذہ کہاں ملیں گے؟

طاہر۔ یہ ضرور ہے کہ شروع میں سب اُستاد مسلمان نہیں ہوں گے، لیکن اُردو، فارسی، عربی، دینیات پڑھانے والے مسلمان ضرور ہوں گے اور آہستہ آہستہ اور استاد بھی پیدا ہو جائیں گے۔ آپ خود ہی غور فرمایئے کہ اسلامی سلطنت میں اتنے ہندو فارسی اور عربی پڑھتے تھے، وہ ہندو ہی رہے یا مسلمان ہو گئے؟

مہدی۔ بہت سے مسلمان ہو گئے، اس کے علاوہ اس تعلیم میں اور ہماری تعلیم میں فرق تھا۔ ہمارے یہاں تمام تعلیم کا مرکز خدا تھا۔ ہر چیز میں اس کا نام آتا تھا، اور ہر وقت بچوں کے ذہن نشین رہتا تھا۔ اس تعلیم میں کتے، بلّی کا ذکر ہے، خدا کا نام بھی نہیں آتا، پھر ہماری تعلیم میں تصوّف کو اتنا بڑا مرتبہ حاصل تھا، اور تصوف کی بنیاد رواداری پر ہے . . . . میں تو اس تعلیم کا مخالف ہوں۔

عباس۔ خیر یہ ایسی چیز نہیں ہے جو ایک دن کی بحث سے طے ہو جائے۔ اس میں بڑی گفتگو کی گنجائش ہے۔

طاہر۔ آپ کا یہ خیال درست ہے۔ بھائی محسن! میں اس بحث پر تم سے بھی گفتگو کروں گا۔

محسن۔ بہت مناسب ہے!

طاہر۔ اور اگر ممکن ہوا تو سید احمد سے بھی تمہیں ملا دوں گا۔

محسن۔ بڑی عنایت ہوگی۔

طاہر۔ اس میں عنایت کی کیا بات ہے؟

مہدی۔ اچھا اب زیادہ دیر ہوگئی، میں اجازت چاہتا ہوں۔

عباس۔ میں بھی۔

محسن۔ ایسی دیر نہیں ہوگئی ہے، آپ کا خیال ہے۔

مہدی۔ بس اس وقت تو اجازت ہی دیجیے۔

محسن۔ تشریف لے جایئے گا؟

مہدی۔ آداب عرض۔

عباس۔ آداب عرض۔

محسن اور طاہر۔ آداب عرض

شبیر۔ آداب عرض۔

مہدی اور عباس (آداب عرض، مصافحہ کرتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں)

شبّیر۔ بھائی جان! میں بھی اجازت چاہتا ہوں۔
محسن۔ جاؤ میاں، تمہیں دیر ہوگئی ہے، سو رہو۔
طاہر۔ بھائی محسن! بسراوقات کا کیا ذریعہ ہے؟
(محسن خاموش رہتا ہے)۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بتاؤ خاموش کیوں ہو؟
مجھ سے کیا پردہ؟
محسن۔ بھائی جب میں واپس آیا تھا تو رام پور سے چلتے وقت زادِ راہ کے طور پر ایک مہربان نے کچھ دے دیا تھا، یہاں آکر دیکھا تو سب لٹ چکا تھا۔ البتہ تہ خانے میں ایک چھپرکھٹ کے پائے رہ گئے تھے، ان پر چاندی کے پتر چڑھے تھے، کچھ دن انھیں بیچ کر گزارہ کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اب مکان پر ایک بنیے سے قرض لے رہا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔
مجھے تو شبّیر کا خیال ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری زندگی کا بڑا حصّہ گزر گیا جو بچا ہے وہ بھی گزر جائے گا۔
طاہر۔ (اپنی جیب سے کچھ نکال کر) بھائی یہ قبول کر لو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
مجھ میں اور تم میں کوئی تکلّف نہیں رہا ۔ ۔ ۔ ۔ انکار نہ کرو
محسن۔ نہیں طاہر یہ نہیں ہو سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابھی میرے پاس یہ مکان موجود ہے، جب کچھ نہ رہے گا تو محنت مزدوری سے

پیٹ بھر لوں گا۔

طاہر۔ تم غیرت برتتے ہو ؟

محسن۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ . . . . . تم خود سوچو !

طاہر۔ میں سمجھتا ہوں . . . . . . (روپیہ جیب میں رکھ کر) میں کوشش کرکے کہیں روزگار نکالوں تو کرلو گے ؟

محسن۔ ہاں ضرور . . . . نیکی اور پوچھ پوچھ !

طاہر۔ دلّی کے باہر ؟

محسن۔ ہاں ضرور . . . . . . دلی میں بھوکے مرنے سے تو بہتر ہے۔

طاہر۔ اچھی بات ہے، میں کوشش کروں گا۔ . . . . . اور انشاءاللہ کامیابی ہو گی ! ایک کہنا تو مان لو۔

محسن۔ کیا . . . .

طاہر۔ بنیے کا قرض ادا کردو، ورنہ یہ محل سرائے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

محسن۔ یہ کیونکر ممکن ہے ؟

طاہر۔ میرے پاس کچھ روپیہ ہے وہ قرض لے لو، میرے پاس روپیہ یوں ہی پڑا ہے، تمہیں سود نہیں دینا پڑے گا۔

محسن۔ لیکن۔

طاہر۔ یہ کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں روزگار مل جائے تو ادا کردینا . . .

..... اگر زیادہ عرصہ گزر جائے .... اور تم ادا
نہ کر سکو تو مکان بیچ کر ادا کر دینا ....
(محسن بڑی احسان مندی کے ساتھ طاہر کی طرف دیکھتا ہے)
طاہر۔ اچھا بھائی اس وقت رخصت ہوتا ہوں، کل ملوں گا۔
(بغل گیر ہوتا ہے)

(پردہ)

پانچویں مجلس

(وقت ۹ بجے شب)

وہی پُرانا دالان ہے، لیکن اب ساز و سامان بالکل مختلف ہے۔ دیوار میں چار فوٹو ٹنگے ہیں .... ایک بھدّی سی مغربی وضع کی تصویر ہے .... نیچے فقط دری کا فرش ہے، ایک طرف ایک چارپائی پڑی ہے جس پر بستر ہے۔ ایک بڑی آرام کرسی اور دو معمولی کرسیاں قریب رکھی ہیں، ایک چھوٹی سی میز پر ایک ارزاں سا ناول ہے ...... مغرب و مشرق کی اس حیرت انگیز آمیزش کی فضا میں جس پر ذوقِ سلیم ماتم کرتا ہے وہ تصویر بھی ایک گوشہ میں ٹنگی ہے، جسے میر عاشق نے اس اہتمام سے بنایا تھا ..... اس کمرے میں پردہ اُٹھنے کے بعد دو نوجوان داخل ہوتے ہیں اُن میں سے ایک مغربی لباس پہنے ہے .... دوسرے کو جو پائجامہ اور قمیص پہنے ہے، پہچاننے میں زیادہ دقّت نہ ہونی چاہیے اس لیے کہ اُسے ہم نے پہلے بھی کئی مرتبہ دیکھا ہے ..... یہ نوجوان شبیر ہے ...... دوسرا نوجوان اُس کا دوست ہے جس کا نام ضامن ہے ...... دونوں نے مغربی تعلیم حاصل کی ہے ..... مگر اس کا اثر وہی ہوا ہے جو ہمارے اکثر

تعلیم یافتہ نوجوانوں پر ہوتا ہے . . . . یعنی نہ انھیں مغرب کی حقیقی
خوبیوں میں حصّہ نصیب ہوا ہے نہ مشرقی تہذیب پوری طرح میراث میں
پہنچی ہے . . . . زمانہ کی ستم ظریفی کی

پیداوار کا بہترین نمونہ ہیں

تنبیر۔ (آکر چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے) بیٹھو، ضامن . . . . بھئی
بے تکلّف ہو کر بیٹھ جاؤ . . . . . . یہاں تمہیں آرام تو نہیں مِلتا
لیکن کیا کروں مجبور ہوں . واللہ مجبور ہوں . . . . .
بھائی صاحب جب تک زندہ رہے اس پر مُصر رہے کہ مکان کے
نقشے میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے . . . . اب میں
اسے تبدیل کراؤں گا . . . . . . یہ بڑے بڑے دالان
خدا جانے اس میں لوگ کیوں کر رہتے تھے . . . .
کمروں کے بغیر زندگی دشوار ہے . . . . . . بس پہلی مرمت میں
مکان کا نقشہ بدلوا دوں گا"

ضامن۔ ہاں بھئی، اب یہ چیزیں دقیانوسی ہو گئی ہیں . . . .
اُنھیں چھوڑنا چاہیے، آج تمہارے ہاں فرش پر کھانا کھایا . . . .
. . . . . . معاف کرنا . . . . یہ لباس پہن کر مشکل سے
ہی بیٹھا جاتا ہے . . . . بے تکلفی کی وجہ سے . . . . .

شبیر۔ ہاں میں جانتا ہوں . . . . میں نے پھر بھی بہت سی تبدیلی کردی ہے۔ ایک زمانے میں تم دیکھتے تو فرش تھا . . . . اس قدر تکلیف دہ کہ الامان! بھئی یہ لوگ قومی عزت کے افسانے دُہراتے دُہراتے نہیں تھکتے . . . . میری سمجھ میں تو آتا نہیں . . . . جو قوم زمین پر بیٹھنا ہی آرام کا سبب جانتی ہو، خدا جانے اس نے کیا ترقی کی ہو گی؟

ضامن۔ بھئی وہ اس زمانے کی ترقی تھی . . . . . اب سولزیشن کا زمانہ ہے . . . . اب پُرانی چیزیں کام نہیں دے سکتیں۔

شبیر۔ ہاں بھائی مطلق نہیں۔

ضامن۔ تمہیں تصویروں سے بہت شوق معلوم ہوتا ہے . . . . دوستوں کے فوٹو ہیں؟ . . . . . فوٹو بھی کس قدر عجیب چیز ہے، بڑے بڑے مصوّر اس کے آگے ہیچ ہیں . . . . ایسی تصویریں بھلا اگلے لوگ کہاں بنا سکتے تھے۔

شبیر۔ (اُس بھدّی انگریزی تصویر کی طرف اشارہ کر کے) دیکھو کیسی اچھی تصویر ہے . . . . کیا خوب نظارہ ہے جسے دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے . . . . کیسی رنگ آمیزی ہے۔

ضامن۔ ہاں بھئی خوب تصویر ہے . . . . . پرسپکٹو دیکھو کتنا درست ہے
. . . . ہمارے مُلک کی تصویروں کی طرح نہیں کہ ایک
آدمی دوسرے کے سر پر کھڑا معلوم ہوتا ہے . . . .
. . . . . . اور سر تو سب کے بڑے معلوم ہوتے ہیں . . .
بھئی یہ مصوّر بڑے مضحکہ خیز تھے۔

شبیر۔ ہاں بھائی میرے والد خود مصوّر تھے . . . . بڑے
مشہور تھے . . . . . ۔لیکن میری سمجھ میں تو ان کا کمال آتا نہیں۔

ضامن۔ (بہادر شاہ کی تصویر کی طرف جو میر عاشق کا شاہکار ہے متوجہ ہو کر)
یہ تصویر؟ . . . . (قہقہہ لگاتا ہے) . . . . .
سُبحان اللہ! کیا تصویر ہے . . . . بھئی تم نے ایسی
مضحکہ خیز چیزیں کمرے میں کیوں لگا رکھی ہیں . . . . . . جنھیں
دیکھتے ہی ہنسی آئے۔

شبیر۔ بھئی مجھے خود یہ تصویر پسند نہیں، اگلے لوگ خدا جانے ان چیزوں
پر کیوں جان دیتے تھے . . . . . میں نے والد کی وصیت کی وجہ
سے اُسے رہنے دیا ہے . . . . یہ انھوں ہی نے
بنائی تھی . . . . ان کی یادگار ہے . . . . . اس زمانے میں
بہت اچھی سمجھی جاتی تھی۔

ضامن ۔ بھئی تم بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تصویر دیکھ کر تمہارے والد کی صناعی کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہیں ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زیادہ اچھا یہی ہے کہ تم اسے یہاں سے ہٹا دو ۔ ۔ ۔ بہت خیال ہو تو اسے احتیاط سے کسی جگہ رکھ دو ۔

شبیر ۔ ہاں بھئی تم سچ کہتے ہو ۔ ۔ میں اسے انشاء اللہ کل ہٹا دوں گا ۔ ۔ ۔ میرا بھی یہی خیال تھا ۔

ضامن ۔ اس کی جگہ کسی انگریز مصوّر کی تصویر لگا دو اور لوگوں سے یہ کہہ دیا کرو کہ یہ میرے والد کی بنائی ہوئی تصویر ہے ، اس سے اچھا اثر پڑے گا ۔ ۔ ۔ لوگ کہیں گے کہ اس زمانے میں ہو کر ایسی اچھی تصویریں بناتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آج کل ہوتے تو کیا کمال کرتے ۔

شبیر ۔ ہاں بھئی یہ تمہیں سوجھی تو اچھی ہے ۔ میں نے بہادر شاہ کی تصویر کسی کتاب میں دیکھی بھی تھی اس کی جگہ لگا دوں گا ۔ (جمائی لیتا ہے)

ضامن ۔ نیند آ گئی ؟ اس قدر جلد ؟

شبیر ۔ کل تھیٹر گیا تھا ۔ ۔ ۔ وہاں پر دیر ہو گئی تھی ، اس وجہ سے نیند آ رہی ہے ۔

ضامن ۔ تھیٹر ؟ کیا تھیٹر آیا ہوا ہے ؟

شبیر ۔ تمہیں اتنی بھی خبر نہیں ؟ بمبئی کا ایک تھیٹر آیا ہوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پردے تو وہ لاجواب ہیں کہ انسان دیکھ کر عش عش کرتا ہے ۔

ضامن۔ کوئی گانے والا بھی ہے ؟

شبیر۔ کئی اور اچھے اچھے، ایسی چلتی ہوئی چیزیں گاتے ہیں کہ کیا کہوں، ایک ایکٹرلیس تو کمال کرتی ہے۔

ضامن۔ کامک کیسا ہے ؟

شبیر۔ لاجواب! ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں، ایک شخص تو اُن میں سے شکل ایسی بناتا ہے کہ روتے ہوئے کو ہنسی آجائے۔

ضامن۔ اچھا بھئی چلو ...... میں جانا چاہتا ہوں!

شبیر۔ آج نہیں ...... مجھے نیند بہت آرہی ہے۔ کل چلیں گے۔

ضامن۔ ضرور۔

شبیر۔ ضرور اور آج جانا یوں بھی بے کار سا ہے، اس لیے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہارمونیم ماسٹر کی طبیعت خراب ہے۔

ضامن۔ تو پھر کل پر رکھتے ہیں ...... اچھا سوؤ بہت نیند آرہی ہے، کل میرے ساتھ کھانا کھانا، ساتھ چلیں گے۔

شبیر۔ اچھی بات ہے۔

ضامن۔ کچھ لنا مت۔

شبیر۔ یہ ممکن ہے ؟

ضامن۔ اچھا تو السلام علیکم

شبیر۔ وعلیکم السلام، خدا حافظ، گڈ نائٹ۔

ضامن۔ گڈ نائٹ۔

(ضامن رخصت ہوتا ہے)

شبیر۔ کواڑ بھیڑتے جانا...... ملازم آئے گا تو بند کر دے گا۔

ضامن۔ (باہر سے) اچھا۔

(ضامن جاتا ہے.... شبیر اُٹھ کر لیمپ کی روشنی کم کرتا ہے.....
وہ سستا ناول قریب رکھ لیتا ہے..... ذرا سی دیر میں سو جاتا ہے۔
ایک طرف سے میر عاشق کی رُوح داخل ہوتی ہے..... چہرے سے
حزن و ملال برستا ہے، ایک لمحہ کے لیے شبیرؔ کی طرف دیکھتی ہے، پھر
اپنی تصویر کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اسے چوکھٹے سے نکال کر ایک
مرتبہ پھر شبیر کی طرف حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھتی ہے اور پھر آہستہ
آہستہ چلی جاتی ہے۔ اس تمام عرصہ میں شبیرؔ سوتا رہتا ہے۔

(پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)